مجاھدِ آزادی

مفسرِ قرآن نمونۂ سلف

حضرت مولانا عبدالقیوم رحمانیؒ

کی حیات مبارکہ پر تحریر کردہ مقالات وتأثرات

کا گرانقدر مجموعہ وتاریخی دستاویز

بنام

حیاتِ رحمانی

ترتیب واہتمام

عبدالحکیم عبدالمعبود مدنی • عبدالجبار انعام اللہ سلفی

جامعہ رحمانیہ کاندیولی ممبئی

ناشر

رحمانی اکیڈمی

گاندھی نگر، چارکوپ، کاندیولی (ویسٹ) ممبئی۔۶۷

مجاھدِ آزادی

مفسرِ قرآن نمونۂ سلف

حضرت مولانا عبدالقیوم رحمانیؒ

کی حیات مبارکہ پر تحریر کردہ مقالات وتائثرات

کا گرانقدر مجموعہ وتاریخی دستاویز

بنام

حیاتِ رحمانی

ترتیب واہتمام

عبدالحکیم عبدالمعبود مدنی ☆ عبدالجبار انعام اللہ سلفی

جامعہ رحمانیہ کاندیولی ممبئی

ناشر : رحمانی اکیڈمی

گاندھی نگر، چارکوپ، کاندیولی (ویسٹ) ممبئی۔ ٦٧

نام کتاب	:	حیات رحمانی
ترتیب واہتمام	:	عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی ☆ عبدالجبار انعام اللہ السلفی جامعہ رحمانیہ کاندیولی ممبئی
سن اشاعت	:	اپریل ۲۰۱۲ء
طبع اول	:	دو ہزار
ناشر	:	رحمانی اکیڈمی، گاندھی نگر چارکوپ کاندیولی (ویسٹ)، ممبئی رابطہ نمبر : 9869395881
کمپیوٹر ورک	:	ضیاء الرحمٰن محمد ابراہیم شیخ۔ M.: 9892771013
مطبع	:	کراؤن پرنٹنگ پریس ممبئی۔ Tel.: 28422552
صفحات	:	۱۶۸

باہتمام

☆ **شکر اللہ خان**

خان انٹر پرائزز، سلفی گلی۳، گاندھی نگر چارکوپ کاندیولی (ویسٹ)، ممبئی۔

☆ بدر عالم عبدالقیوم رحمانی، راحت حسین شبیر احمد، ارشد کمال محمد یعقوب رحمانی مدرسہ عمر بن الخطابؓ، شیل پھاٹا کوسہ ممبرا تھانہ۔

ملنے کے پتے

۱۔ جامعہ رحمانیہ، سلفی گلی نمبر۳، گاندھی نگر چارکوپ کاندیولی (ویسٹ)، ممبئی۔

۲۔ مکتبہ ترجمان، اہل حدیث منزل، جامع مسجد دہلی۔

۳۔ ضلعی جمعیت اہل حدیث ضلع سدھارتھ نگر یوپی انڈیا۔

ہدیۂ تشکر وامتنان

رب العزت والجلال کے بعد شکر وامتنان کے ہزاروں سوغات پیش ہیں

تاریخ اہل حدیث کے ایک عظیم مرد مجاہد خلوص ووفا کے پیکر، نمونۂ سلف، دعوت الی اللہ کی سچی تڑپ میں بہار وبنگال، یوپی ودلی تا مہاراشٹر سرزمین ھند کو اپنے خون جگر اور علم وفضل سے سیراب کرنے والی عظیم المرتبت شخصیت، مفسر قرآن، حضرت مولانا عبدالقیوم رحمانی رحمۃ اللہ علیہ کی حیات مبارکہ سے متعلق مقالات وتحریرات کے اس خوبصورت مجموعہ کی اشاعت کا بیڑا اٹھانے والے

باعزم وحوصلہ، جماعتی وملی خدمات میں پیش پیش رہنے والے
برادر مکرم جناب شکر اللہ خان صاحب رکن جامعہ رحمانیہ کاندیولی

کی خدمت میں جنہوں نے اپنے آبائی وطن موضع کسمہی ڈومریا گنج میں انعقاد پذیر دوروزہ عظیم الشان فلاح انسانیت کانفرنس ومذاکرۂ علمیہ بتاریخ ۲۶/۲۷ جمادی الاخری ۱۴۳۳ھ مطابق ۱۹/۲۰ مئی ۲۰۱۲ء بروز سنیچر واتوار کے سنہرے موقع پر اس تاریخی دستاویز کو منظر عام پر لانے کی سعی مسعود کی۔ ذلك فضل الله يوتيه من يشاء

اور اسی طرح مدرسہ عمر بن الخطاب شیل پھاٹا کوسہ ممبرا کے ذمہ داران
برادران مکرم بدر عالم عبدالقیوم رحمانی، راحت حسین شبیر احمد اور ارشد کمال محمد یعقوب رحمانی

کا جنھوں نے رحمانی صاحب سے قلبی وخاندانی لگاؤ کی وجہ سے اسکے مزید ایک ہزار نسخوں کی اشاعت کی ذمہ داری قبول کی۔ بارالہا! اس جماعتی کام پر آپ تمام کے حوصلوں کو مزید بلند فرمائے اور اسے آپ تمام کیلئے صدقہ جاریہ، دنیا میں سربلندی وآخرت میں کامیابی ونجات کا ذریعہ بنائے آمین۔

عبدالحکیم المدنی

آئینہ مقالات وتأثرات

مقدمہ

قرآن مجید اور احادیث مبارکہ کو اللہ رب العزت نے سینوں اور سفینوں میں محفوظ فرما کر امت پر احسان عظیم فرمایا اور اسے عالم انسانیت تک پہنچانے کیلئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت وفدائیت میں تعلیم پانے والے گروہ مقدس یعنی صحابۂ کرام کو برپا کیا چنانچہ ان پاکباز وجاں نثار ساتھیوں نے شریعت الٰہی کی اس امانت گراں کو امت تک بلاکم وکاست پہونچایا اور انہیں کے نقوش تابندہ پر چلتے ہوئے مختلف صدیوں میں اس متاع عزیز اور سرمایۂ ہستی کی تبلیغ وادائیگی میں وفاشعاران اسلام اور داعیان حق یعنی تابعین عظام اور محدثین کرام لگے رہے، یہاں تک کہ اسلام کی درخشندہ شعاعیں ملک عرب سے باہر بلاد سندھ وھند اور چین وروس تک پہونچ گئیں اور وفاشعاران اسلام اور داعیان حق کا یہ قافلہ ہر صدی اور ہر زمانے میں ہر جگہ پوری اخلاص ودردمندی، محنت اور جانفشانی سے رواں دواں رہا نہ صرف یہ کہ انھوں نے اسلام کی روشنی ہر جگہ پہونچانے کی سعی مسعود کی بلکہ جہاں جہاں رہے اور بسے وہاں ظلم وبربریت، استحصال واستیصال اور جور وجبر کے خلاف علم بغاوت بھی بلند کرتے رہے اور اس طرح اللہ کے بندوں، کمزوروں، مظلوموں اور بے کس وبے سہارا لوگوں کو امن وسکون سے جینے کا ماحول فراہم کرتے رہے، ہمارا ملک ہندوستان بھی اس قافلۂ مقدس اور دعوت حق میں لگے رہنے والے پاکباز گروہ سے کبھی خالی نہ رہا، برسوں یہاں مسلمانوں نے حکومت کی اور علماء ومحدثین، ائمہ وفقہاء نے اپنے علم واخلاص سے وطن عزیز کی آبیاری بھی کی لیکن ایک وقت ایسا بھی آیا کہ غیر ملکی استعمار کی سازشوں کے نتیجے میں ہمارے اس ملک پر انگریزوں نے قبضہ جما لیا اور ظلم واستحصال کی چکی میں یہاں کی معصوم آبادیوں کو صدیوں تک پیستے رہے، نہ کسی کو بولنے کی طاقت تھی اور نہ زبان کھولنے کی ہمت تھی خدا رحمت

کرے علماء کے اس مقدس گروہ پر جنہوں نے ظلم کے خلاف اس ملک میں علم جہاد بلند کیا اور رفتہ رفتہ یہ چنگاری ایک شعلہ بن کر لوگوں کے جسم وروح میں جوش وحمیت کا طوفان کھڑا کرنے لگی، اور نتیجہ یہ ہوا کہ علماء کی قیادت اوران کی سچی رہنمائی و بےلوث قربانیوں کے بعد یہ ملک انگریزوں سے آزاد ہوگیا۔ آزادیٔ وطن اور استخلاص چمن میں جن بزرگوں نے جان کے نذرانے پیش کئے، جیلوں کی سلاخوں کے پیچھے زندگیاں گزاردیں، مگر صدائے حق اور جذبۂ حریت سے کبھی بھی پیچھے نہ ہٹے ان بزرگان وطن میں ایک معتبر نام مفسر قرآن مولانا عبدالقیوم رحمانی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ہے جو نہ صرف یہ کہ ایک مجاہد آزادی اور وطن عزیز میں ظلم و بربریت کے خلاف نعرۂ حق بلند کرنے والے مقدس قافلۂ مجاہدین میں شمار کیے جاتے تھے بلکہ آزادی کے بعد جنہوں نے اپنی پوری زندگی اسلام کی دعوت، فروغ تعلیم اور خدمت انسانیت میں لگادی اور بہار وبنگال سے لے کر یوپی، دلی اور مہاراشٹر تک اہل اسلام کی آبیاری اور خدمت گزاری میں لگے رہے کہ آج بھی لوگوں کے ذہنوں میں آپ کے خلوص ووفا، پاکیزگی وطہارت اور عزم وحوصلے کی یادیں باقی اور قائم ہیں۔ مرحوم نے پوری زندگی جہاد آزادی سے فراغت کے بعد دنیا سے بے رغبتی، فنافی اللہ کا پیکر بن کر مسلمانوں کی ملی، سماجی، تعلیمی، دعوتی اور تعمیری ترقی اور اس کیلئے سچی ومخلصانہ رہنمائی میں لگادی۔ یوں تو آپ نے نہ کوئی انجمن قائم کیا اور نہ کوئی ادارہ بنایا اور نہ ہی کسی تنظیم کی تشکیل کی مگر تاریخ شاہد ہے اور علماء ودا عیان جانتے ہیں کہ وہ تنہا رہ کر بھی ایک انجمن تھے، بڑے بڑے اداروں اور تنظیموں سے جو کام نہ ہوسکا وہ آپ نے اپنے مبارک ہاتھوں سے ملک کے مختلف گوشوں میں دوران دعوت وتبلیغ مختلف مکاتب، مراکز اور مساجد کی بنیادیں رکھ کر دعوت حق کو لوگوں تک پہونچانے کا عظیم الشان کارنامہ انجام دیا، آج بھی آپ اپنی خدمات، خلوص ووفا اور راہ حق میں جانفشانی کی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں زندہ ہیں اسلئے ضرورت یہ تھی کہ آپ کی کوئی مستقل سوانح حیات قلمبند کی جائے مگر غفلت وکسلمندی اور دنیا کی پیچ وخم میں مبتلا ہونے کی وجہ سے ہم سے تو یہ کام نہ ہوسکا البتہ جو مقالات آپ

کی وفات کے بعد مختلف اہل علم اور اہل قلم نے تحریر کئے تھے اسے مختلف مجلّات، جرائد اور رسالوں سے یکجا کر کے سوانحی خاکہ میں ایک رنگ بھرنے کیلئے ایک تاریخی دستاویز کی شکل میں جمع کر دیا گیا ہے تاکہ سند رہے اور مجاہد آزادی، مفسر قرآن کی یادیں ہمارے سینوں میں گاہے گاہے زندہ ہوتی رہیں اور نونہالان قوم، افراد جماعت، علماء و داعیان قافلۂ دعوت و جہاد کے ان متوالوں اور ان کے نقوش صالحہ اور آثار فاضلہ سے روشنی حاصل کرتے رہیں۔ میں شکرگزار ہوں اپنے دیرینہ رفیق اور ہمہ تن علمی خدمات میں لگے رہنے والے فاضل مکرم مولانا عبدالجبار انعام اللہ سلفی کا جنہوں نے بڑی محنتوں سے اس کام کی تکمیل میں میری مکمل رہنمائی اور مدد کی۔ اللہ رب العزت آپ کی علمی خدمات کو قبول فرمائے اور اس کا بھرپور صلہ عطا فرمائے۔ آمین۔

دعا گو

ابوالمظفر عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی

جامعہ رحمانیہ کاندیولی ممبئی

25-3-2012

پیش لفظ

سوانحی خاکہ مرتب کرنا، کسی انسان کی عملی زندگی پر روشنی ڈالنا ایک نازک اور مشکل فن ہے۔ کامیاب سوانح وسیرت نگار وہی تصور کیا جاتا ہے جو افراط وتفریط سے اپنے دامن کو بچاتے ہوئے اس عمل کو انجام دیتا ہے۔ ویسے عموماً لوگ اس صنف میں ٹھوکر ہی کھاتے ہیں۔ کوئی غلو سے کام لیتے ہوئے اپنے ممدوح کو اوج ثریا پر پہنچا دیتا ہے، گرچہ علمی اور عملی اعتبار سے اس کی کوئی حیثیت نہ رہی ہو۔ اور کوئی تنقیص کر کے اوندھے منہ زمین پر لا ڈالتا ہے چاہے وہ کتنی جامع صلاحیتوں کا مالک رہا ہو۔ وہی شخص اعتدال کا راستہ اپناتا ہے جسے اس فن میں مہارت حاصل ہوتی ہے۔

سوانح عمریوں سے بہت سے فائدے حاصل ہوتے ہیں، اگر ایک طرف علم وادب کا دائرہ وسیع ہوتا ہے اور اس کو تقویت ملتی ہے تو دوسری طرف اس سے قومی اور ملکی تہذیب وتمدن کی نشو ونما ہوتی ہے۔ انسانی معاشرہ اور اس کے قلب ودماغ اور انسانی زندگی کی اصلاح وتربیت کا کام انجام پاتا ہے۔ خصوصاً اللہ کے نیک اور صالح بندوں کی زندگی کے حالات وواقعات، عبادات ومعمولات، تصنیفات وتالیفات، علم وعمل کی روح، دنیا وآخرت کا سرمایہ، خلوتوں کی رفیق، غمزدوں کے انیس اور زندگی کی تاریک راہوں کی قندیل ثابت ہوتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہر دور اور ہر زمانہ میں اصحاب فکر ونظر، ارباب بصیرت اور لوح وقلم کے شہسواروں نے ماضی کے اعاظم رجال، اساطین علم وفضل، علم وادب کے سمندر میں غواصی کرنے والے ماہرین کی روشن تاریخوں کو محفوظ کرنے، ان کی زندگی کے تمام حالات وواقعات کو یکجا کرنے، اور ان کے روشن تذکروں وکارہائے نمایاں کو حیطۂ تحریر میں لانے کا عظیم اہتمام کیا ہے۔ تاکہ وہ اپنے ماضی کے آئینہ میں اپنی تصویر دیکھ سکیں۔ ان کی زندگی کے نشیب وفراز سے اپنی زندگی کے خطوط متعین کرسکیں۔ اور اپنے اسلاف کے امتیازات وخصائص، فضائل ومناقب کو اپنی زندگی کے قلب میں خود کو ڈھالنے کی کوشش کرسکیں۔ اور یہ سلسلہ برسوں سے جاری وساری ہے۔ زیر نظر کتاب ''حیات رحمانی'' بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی

ہے۔ جس کے اندر جماعت اہل حدیث کی عظیم شخصیت، زاہد بے مثال، مجاہد آزادئ ہند، مفسر قرآن حضرت علامہ مولانا عبدالقیوم رحمانیؒ کی زندگی کے مختلف گوشوں پر بڑے ہی شرح وبسط کے ساتھ روشنی ڈالی گئی ہے۔

درحقیقت یہ جماعت کی جانب سے نکلنے والے مختلف مجلّات کے اندر شائع شدہ جماعت کی مقتدر شخصیات کی تحریرات کا مجموعہ ہے۔ جسے منصہ شہود پرلانے کی ایک حقیر کوشش کی گئی ہے۔

مولانا رحمہ اللہ کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے، آپ گوناگوں خوبیوں کے مالک اور اپنے بعد کے لوگوں کے لئے اسوہ ونمونہ تھے، آپ اگر ایک طرف مجاہد آزادی تھے تو دوسری جانب شب زندہ دار بھی تھے۔ اچھی خاصی جائداد کا مالک ہونے کے باوجود آپ نے ایک فقیرانہ ودرویشانہ زندگی گزاری، معمولی لباس، سر پر پگڑی، ہاتھ میں چھڑی دیکھنے والے کبھی یہ اندازہ نہ کرسکے کہ ایک کھاتے پیتے اور جاگیردارانہ گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں۔ زبان ہمہ وقت ذکر الٰہی میں مشغول، قلب وذہن ہمیشہ یاد الٰہی میں گم، اردو اور عربی دونوں زبانوں میں یکساں مہارت حاصل تھی۔ ایک قابل مدرس ہونے کے ساتھ ساتھ بے باک اور اچھے خطیب بھی تھے۔ ہندوستان کے جلسوں اور کانفرنسوں کے اندر آپ کی شرکت ان کی کامیابی کی ضامن ہوا کرتی تھی۔ دوران تقریر قرآنی آیات کے ایسے ایسے نکات بیان کرتے کہ سننے والے دنگ رہ جاتے۔ پاکوڑ کانفرنس میں جب مولانا نے بزبان عربی سورۃ الفاتحہ کی تفسیر کرنا شروع کیا تو عرب علماء جنھیں اپنی عربی زبان پر ناز ہے، حیران وششدر رہ گئے اور آپ کے بیان پر عش عش کرنے لگے۔ اور اپنی مادری زبان کے تو بادشاہ تھے ہی۔ جب اپنی مادری زبان میں گفتگو شروع کرتے تو محفل قہقہہ زار بن جاتی۔ اور لوگ بڑی دلچسپی سے مولانا کی باتوں کو سن کر اس سے فائدہ حاصل کرتے۔ غرضیکہ مولانا جملہ خوبیوں کے حامل انسان تھے، خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں۔

قارئین کرام! بروقت جو کتاب آپ کے ہاتھوں میں ہے اس کا خاکہ آج سے تقریباً ۳؍سال قبل ہی تیار ہو گیا تھا، اور مکمل طور پر مضامین کمپوز بھی ہو گئے تھے۔ پروف ریڈنگ بھی ہو گئی تھی۔ لیکن اپنوں کی سستی اور وسائل کی عدم فراہمی کی وجہ سے کام پایۂ تکمیل کو نہ پہنچ سکا، اللہ جزائے خیر دے خان انٹرپرائزیز کے مالک اور جامعہ رحمانیہ کاندیولی ممبئی کے رکن جناب شکر اللہ خان صاحب کو کہ انہوں نے اس کے اخراجات کا بیڑا اٹھایا اور اللہ کی مشیئت سے بہت دنوں سے زیر التواء رہنے والا کام مکمل ہو گیا۔ اور کتاب چھپ کر منظر عام پر آگئی۔ اللہ تعالیٰ اسے ان کے لئے ذخیرۂ آخرت بنائے اور انھیں اس کا اجر جزیل عطا کرے۔ آمین

خادم کتاب وسنت

عبد الجبار انعام اللہ سلفی

استاد جامعہ رحمانیہ کاندیولی

ومدیر ماہنامہ صوت الاسلام ممبئی

۸؍فروری ۲۰۱۲ء

۱۵؍ربیع الاول ۱۴۳۳ھ بروز بدھ

مولانا عبدالقیوم بستوی رحمانی رحمہ اللہ
کی زندگی کے آخری ایام اوران کی زندگی کے چند اہم گوشے

مولانا عبدالحمید رحمانی حفظہ اللہ وتولاہ
صدر ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر،نئی دہلی

۱۷/مئی بروز سنیچر رات میں منہج صحابہ کے موضوع پر مولانا محمود الحسن فیضی امام وخطیب بنگالی مسجد مدنپورہ ممبئی نے اپنے وطن اور مولانا احمد اللہ شیخ الحدیث رحمانیہ دہلی رحمہ اللہ کے علاقہ میں ایک شاندار اجلاس عام کا پروگرام رکھا اور مجھ سیہ کار پر اس کی صدارت کی ذمہ داری ڈال دی۔ ۱۷/مئی کو صبح بذریعہ ٹرین الہ آباد پہونچا،مولانا محمود الحسن سلمہ اللہ بذات خود اپنے رفقاء کے ساتھ اسٹیشن پر موجود تھے موصوف کے ساتھ میں اور میرے رفیق سفر مولوی عبداللہ عبدالرؤف سلفی سلمہ اللہ کار پر پرتاپ گڈھ پہونچے،تھوڑی ہی دیر میں پتہ چلا کہ ہمارے بزرگ مولانا عبدالقیوم رحمانی رحمہ اللہ بستی کے ایک اجلاس سے فارغ ہوکر بذریعہ کار پرتاپ گڑھ پہونچ چکے ہیں،میں اپنے رفیق سفر کے ساتھ ہوٹل سے نیچے اترا تو دیکھا کہ مولانا گاڑی پر بیٹھ کر مدرسہ عثمان بن عفان دیون مئو اجلاس میں شرکت کے لئے تشریف لے جارہے ہیں مجھے دیکھتے ہی موصوف نے مجھے آواز دی کہ آؤ میرے ساتھ بیٹھو چنانچہ مولوی عبداللہ کو مولانا محمود الحسن کی گاڑی میں چھوڑ کر میں اس عالم وداعی کی رفاقت کو غنیمت سمجھتے ہوئے اسی گاڑی میں بیٹھ گیا۔راستہ میں مولانا اجلاس کی جگہ دیون مئو کا ذکر کرتے ہوئے شیخ الحدیث مولانا احمد اللہ قریشی پرتاپ گڈھی رحمہ اللہ اور دارالحدیث رحمانیہ دہلی میں ان کے دروس حدیث اور پرتاپ گڑھ میں انکی دعوتی خدمات کے مختلف اہم واقعات کا تذکرہ کرتے ہوئے دارالحدیث رحمانیہ سے انکے الگ کئے جانے اور مدرسہ زبیدیہ چلے جانے کا پردرد حادثہ ذکر کرتے ہوئے علماء ومحدثین کی ناقدری کے افسوس ناک واقعات پر دلی دکھ اور رنج کا اظہار کرتے ہوئے تدریسی اداروں میں اساتذہ کے ساتھ نامناسب بلکہ ظالمانہ سلوک پر شکوہ

کرتے رہے، اسی موقع پر مجھے جامعہ اسلامیہ مدینہ میں اپنے استاد حدیث مولانا عبدالغفار حسن رحمانی رحمہ اللہ کا بیان کردہ واقعہ یاد آ گیا جس سے ادیب العلماء، عالم الادباء اور اپنے دور کے عربی کے ہندوستان میں منفرد ادیب علامہ ابوعبداللہ محمد بن یوسف سورتی رحمہ اللہ کے اوپر دارالحدیث رحمانیہ کے مہتمم کے ظالمانہ اور جارحانہ سلوک کی یاد آ گئی۔ اللہ تعالیٰ ہمارے حالات پر رحم فرمائے۔ مولانا بستوی رحمہ اللہ نے اپنے استاد علامہ احمد اللہ پرتاپ گڈھی کے علوم حدیث اور دوسرے علوم میں مہارت اور ان کے ورع وتقوی اور جلالت علمی کا ذکر کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا کہ ان کے چلے جانے کے بعد دارالحدیث رحمانیہ دہلی ویران سا ہو گیا، اس پر میں نے علامہ نذیر احمد رحمانی رحمہ اللہ کا تذکرہ کیا جو دارالحدیث رحمانیہ کے سب سے ممتاز عالم ومفکر تھے مولانا بستوی نے فرمایا کہ ان کا صرف ایک کارنامہ دوسرے سارے رحمانیوں کے کارناموں پر بھاری ہے وہ ہے ان کا لکھا ہوا پرائمری کلاسز کے لئے ''چمن اسلام''۔ دیون مئو گاؤں کے پہلے شارع عام پر مدرسہ عثمان بن عفان کی شان دار مسجد پر جب ہم لوگ پہنچے تو مولانا محمود الحسن فیضی نے اصرار کیا کہ ان کے والد ہم لوگوں کا شدت سے انتظار کر رہے ہیں وہیں چل کر آرام کریں۔ لیکن مولانا عبدالقیوم رحمہ اللہ نے فرمایا کہ میں ہمیشہ مسجد میں قیام کرتا ہوں مسجد میں ضروریات کی ساری چیزیں ہوتی ہیں پینے کا پانی، پیشاب پاخانہ کی جگہ فرض ونفل صلاۃ اور تلاوت قرآن کریم کی آسانیاں، اس لئے میں یہیں قیام کروں گا چونکہ میں مولانا کی رفاقت سے استفادہ کرنا چاہتا تھا اس لئے میں بھی وہیں مسجد میں اتر گیا۔ وضو کر کے تحیۃ المسجد کی دو رکعتیں ادا کیں پھر صلاۃ مغرب کا وقت ہو گیا' صلاۃ مغرب ادا کی گئی۔ مغرب کے بعد مولانا محمود الحسن فیضی کے والد کے اصرار پر ہم ان کے گھر گئے اور میدان میں درختوں کے نیچے بچھی ہوئی چارپائیوں پر آرام کرنے کے لئے میں مولانا کی چارپائی کے پاس گیا چونکہ پرتاب گڈھ گاڑی میں رفاقت کے اثناء میں اور مسجد میں آرام کے اثناء میں انہوں نے کئی مرتبہ کہا کہ تم ایک بہت اچھا اور مضبوط تعلیمی دعوتی کام کر رہے ہو اور تمہارے قائم کئے ہوئے معہد

کا فیض ملک میں اور ملک کے باہر بھی پہنچ رہا ہے اس لئے تم انہیں تعلیمی و تربیتی اداروں کے لئے زندگی وقف کر دو جلسے جلوس میں وقت ضائع نہ کرو۔ یہ بات انہوں نے پرتاب گڈھ سے دیون مئو جاتے ہوے کار میں بھی کئی بار کہی اور مسجد میں بھی اور مولانا محمود الحسن فیضی کے گھر پر بھی اور اسٹیج پر رخصت کرتے ہوئے بھی۔

ان کے اس اصرار نے مجھے مولانا عبدالسلام رحمانی اور حکیم اجمل خان کے ذریعہ پہنچی ہوئی علامہ عطااللہ حنیف بھوجیانی رحمہ اللہ نے جو نصیحت مجھے کی تھی وہ بھی یاد آئی انہوں نے مشفقانہ انداز میں مجھے پیغام بھیجا تھا کہ میں علمی کاموں میں لگ جاؤں اور جمعیت کے جھمیلوں سے اپنے آپ کو بچاؤں اللہ تعالی مولانا عبدالقیوم رحمانی کو اس نصیحت کا اجر جزیل عطا فرمائے۔ آمین۔ اس سفر اور رفاقت میں مزید وہ اہم امور جن کی بابت مولانا نے دردمندانہ گفتگو کی جماعت اہلحدیث کے جلسوں اور اجتماعات میں مقررین و خطباء کی معیار سے گری ہوئی تقریریں اور ناچنے گانے کی عادات اور اجلاس کے منتظمین کا عوام کو خوش کرنے کے لئے بے علم اور مسلک سے دور بلکہ ہندوؤں فلم سازوں اور بدعقیدہ، گمراہ اور صحابہ کرام کی توہین کرنے والوں کو اپنے اسٹیج پر بلا کر ان کی توقیر تکریم، اسی طرح مدارس و معاہد میں تعلیمی اور تربیتی معیار کی شدید گراوٹ وغیرہ۔

بہر حال رات میں منہج صحابہ کے موضوع پر اپنی کج مج گفتگو کے بعد منتظمین اور مولانا سے اجازت لے کر پرتاب گڈھ اور اور وہاں سے الہ آباد کے لئے روانہ ہو گیا تا کہ دہلی جانے کے لئے صبح چار بجے کی ٹرین سے سفر کر سکوں اسی وجہ سے میں مولانا کی تقریر نہ سن سکا۔

۱۷ رمئی کی رات میں سب سے اخیر میں ۴۵ منٹ کی آپ نے تقریر کی اور دعا کرائی اور اسی وقت مئو آئمہ چلے گئے۔ جہاں وہ ۱۸، ۱۹ مئی کو اسی علاقے کی ایک اہلحدیث بستی ''تالا'' کے اجلاس میں خصوصی طور پر مدعو تھے شرکت کی، اس کے بعد بس کے ذریعے اپنے وطن واپس آئے، میں مولانا کی تقریر سے قبل ہی ان کے مشوروں سے مستفید ہو کر اسٹیج سے اتر کر اس گاڑی میں آ بیٹھا

تھا جس میں مولانا محمود الحسن فیضی کے ساتھ پرتاب گڈھ اور اس کے بعد الہ آباد پہنچا۔

میرے آنے کے بعد مولانا عبدالقیوم رحمانی رحمہ اللہ کی تقریر جو اجلاس کی آخری تقریر تھی ہوئی، مولانا رحمہ اللہ نے اپنی دل پذیر موثر تقریر میں جس کا سلسلہ ۴۵ منٹ تک جاری رہا معاشرہ میں ایک دوسرے کے حقوق کی ادائیگی پر روشنی ڈالی۔ اجلاس کے منتظم مولانا محمود الحسن فیضی حفظہ اللہ نے مولانا عبدالقیوم رحمانی رحمہ اللہ کی تقریر کا خلاصہ ارسال فرمایا ہے کہ مولانا عبدالقیوم رحمانی صاحب نے اپنی تقریر میں معاشرہ میں ایک دوسرے کے حقوق پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا کہ پاس پڑوس دادھیال نانیہال کے حقوق کی ادائیگی کرو۔ ایک دوسرے کی مدد کرو اسی طرح جب بیٹا یا بیٹی بالغ ہو جائے تو اس کا نکاح کر دو، انکی رہائش الگ کر دو، جہیز طلب کرنے یا جہیز دینے سے بچو، لڑکیوں کا زر، زمین، مکان ہر چیز میں حصہ ہے اس کی ادائیگی کرو تو اللہ کی رحمت آئیگی ایک دو لاکھ روپے جہیز دو گے تو دولھا اور اس کے گھر والے کھا پی کر فیشن پر خرچ کر کے اسے ضائع کر دینگے۔ مسلمانوں کو اس بلا سے اپنے آپ کو بچانا چاہیئے۔

تقریر اور دعاؤں کے بعد متو آئمہ چلے گئے وہاں وہ ۱۸، ۱۹ رمئی کو رہے۔ ۲۰ مئی کو موضع تالا کے اجلاس میں شرکت کی اور ۲۱ رمئی کو بذریعہ بس اپنے وطن واپس چلے گئے۔ مسلسل شب بیداری اور دوڑ دھوپ اور بے آرامی کی وجہ سے وطن پہنچنے کے بعد بیمار پڑ گئے اور ۲۶ رمئی کو رات میں دست شروع ہوا ۲۷ رمئی کو کمزوری بہت بڑھ گئی لیکن بیل کے شربت کے علاوہ کسی اور دوا کے لئے تیار نہیں ہوئے۔ گلوکوز چڑھانے کے لئے بھی راضی نہیں ہوئے، جب طبیعت زیادہ گرنے لگی تو ان کے صاحبزادگان انہیں کار پر لے کر ۲۸ رمئی کی صبح کو لکھنو پہنچے۔ حالت بالکل دگرگوں ہو گئی۔ ڈاکٹروں نے بتایا کہ دل اور دماغ دونوں بیکار ہو رہے ہیں۔ لکھنو پہنچے تو ہوش وحواس میں تھے بلڈ لیا گیا۔ ان کے بڑے صاحبزادے بدر عالم کے سامنے ان پر اٹیک ہوا اس کے بعد تھوڑا سا سنبھلے۔ ڈاکٹر نے کہا کلی کر لیں لیکن انھوں نے مسواک کرنے پر اصرار کیا اسکے بعد آنکھ بند ہوگئی ہلکا

ساجھٹکا ہوااور اور تقریباً بارہ بجے دوپہر وفات ہوگئی۔

ان کے ساتھ اسپتال میں انکے سارے عزیز، حیدر سلمہ اللہ کو چھوڑ کر سارے بیٹے اوران کی اہلیہ سنت اوران کی ایک بیٹی صفیہ موجود تھے، جنازہ وہاں سے رات ساڑھے نو بجے وطن لایا گیا اوردوسرے دن تقریباً ساڑھے نو بجے ان کی تجہیز وتکفین عمل میں آئی۔ ان کے ورثاء بیٹوں، بیٹیوں، نواسیوں اور خاص طور پر ان کے صاحبزادہ گرامی بدر عالم صاحب اور دوسرے اقرباء کے اصرار پر دہلی سے دودھونیاں پہنچا اور صلاۃ جنازہ پڑھائی۔ اس سے قبل اجنبی عورتوں کو میت کا چہرہ دکھانے کی پھیلی ہوئی غیر اسلامی رسم کی شدید مخالفت کرتے ہوئے میں نے عورتوں کو دور کر کے جنازہ اٹھوایا اسی طرح سرکاری افسروں اور سیاسی لیڈروں اور حکومت کی طرف سے پھول چڑھانے سے سختی سے روکا اور صرف جنازہ کو دیکھنے کی اجازت دی اور قبر میں ہری شاخ یا پھول رکھنے کی بدعت اور غیر اسلامی رسم سے بھی روکا اور حکومت کے نمائندوں اور سرکاری افسران کو بھی اچھے اسلوب میں سمجھا کر مطمئن کیا۔ جنازہ میں کئی ہزار مسلمان شریک ہوئے، دہلی، ممبئی، بنارس، مئو اور اضلاع بستی، گونڈہ، سدھارتھ نگر، بلرام پور، لکھنو اور قنوج وغیرہ کے لوگ بھی آئے مدارس کے نظماء، مدرسین اور جمعیتوں کے ذمہ داران سب جنازہ میں شرکت کے لئے آئے۔ دعا ہے کہ رب العالمین ان کی مغفرت فرمائے اور انہیں اعلی علیین میں جگہ دے۔ تکفین وتجہیز اور صلاۃ جنازہ سے فراغت کے بعد میں نے ان کے پانچوں بیٹوں کو تنہائی میں بٹھا کر مولانا عبدالقیوم رحمہ اللہ کے مشن کو زندہ رکھنے اور اسے ترقی دینے پر زور دیا، اسلامی احکام وفرائض اور سنن کی پابندی اور انہیں پوری انسانیت کی خدمت کی اپیل کی۔ اللہ تعالی قبول فرمائے۔

مولانا عبدالقیوم رحمانی رحمہ اللہ سے میرے خاندان کے گہرے تعلقات میرے والد عبدالجبار رحمہ اللہ (المتوفی ۱۹۸۰ء) کے دور سے تھے۔ میرے والد کی دو بیویاں تھیں ایک مولانا عبدالرزاق سمراوی مبلغ آل انڈیا اہلحدیث کانفرنس رحمہ اللہ کی بہن تھیں اور دوسری جو میری والدہ

تھیں مشہور مجاہد اور ایثار پیشہ عالم مولانا لیاقت حسین رحمہ اللہ مرغہواوالے کی بھانجی تھیں جو شیخ حسین بن محسن انصاری رحمہ اللہ کے شاگرد تھے، مشہور طبیب حکیم اجمل احمد خان مولانا لیاقت کے پوتے تھے۔ والد رحمہ اللہ کے ان رشتوں کی وجہ سے بچپن ہی سے میری ملاقاتیں علاقہ کے اکثر اہم افراد سے ہوتی تھیں اس پر مستزاد یہ کہ مولانا عبدالقیوم کی جھنگہواں کی زمین داری میرے گاؤں تندوا سے بہت قریب تھی، مولانا عبدالقیوم رحمانی رحمہ اللہ کے چھوٹے بھائی شبیر رحمہ اللہ کی شادی میرے پڑوس میں حاجی یوسف بن حبیب اللہ کے گھر سے ہوئی شبیر رحمہ اللہ کی بیوی میمونہ رحمہا اللہ سلائی کٹائی اور کڑھائی اور دوسرے زنانہ کاموں میں میری بیوی کی شاگرد بن گئی تھیں اس لئے مولانا عبدالقیوم رحمہ اللہ سے میں بہت قریب تھا۔ کئی اجتماعات میں بھی میں ان کے ساتھ بلایا گیا اور میں نے ان سے کافی استفادہ کیا، وہ اپنائیت کی وجہ سے مجھے "تم" کے لفظ سے مخاطب کرتے تھے جو میرے لئے باعث شرف تھا، وہ ایک بے نفس انسان تھے، سادگی، بے نفسی اور قرآنی آیات و سور کے استحضار اور تقریر میں قرآنی استدلال کے اعتبار سے ان کا کوئی ثانی نہیں تھا بے نفسی کا یہ عالم تھا کہ کئی مرتبہ سفر کے سامان میں وہ صرف کرتے رکھ لیتے اور کبھی صرف پاجامے، ایک مرتبہ زبردستی کرکے میں نے لنگی اور بنیان پہنا کر اور کوئی ڈھیلا ڈھالا کرتا پہنا کر ان کے کپڑے دھونے کے نام سے لے لئے اور درزی کو ناپ دے کر ان کے لئے جوڑے بنوانے کی جرأت کر ڈالی اور پرانا کپڑا بھی دھلوا کر پیش کر دیا، ان کے کچھ عزیز اور عزیزائیں دہلی میں ہیں ان سے میرا اور میری بیوی بچوں کا تعارف بھی انہوں نے کرایا، یوپی کے ماضی قریب کے الیکشن میں مجھے فون پر ڈانٹ کر کہا کہ کانگریس پارٹی کے ذمہ داران سے کہو کہ اسمبلی کے لئے میرے بڑے بیٹے بدر عالم کو ٹکٹ دیں یہ بہت متحرک اور کامیاب ممبر ثابت ہوگا۔

ایک مرتبہ بڑھنی وغیرہ کے کچھ ذمہ داران مجھے بڑھنی سے ڈھبرواتک لے گئے کہ اس علاقہ میں ایک انٹر کالج کی سخت ضرورت ہے، مولانا سے جب ملاقات ہوئی تو انہوں نے بڑھنی اور

دودھونیاں کے درمیان کی ایک زمین کا تذکرہ فرمایا اور کہا کہ یہ جگہ سب سے اچھی ہے، کچھ کرنا ہے تو یہاں کرو لیکن ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سینٹر نئی دہلی اس سے پہلے اونرھوا میں لڑکیوں کے اسکول کے لئے اور گینسٹری مین روڈ پر لڑکوں اور لڑکیوں کے لئے اور پچپڑوا مین روڈ اور بجوا مین روڈ پر مساجد اور اسکولوں کے لئے زمینیں خرید کر مدارس قائم کر چکا تھا ان کے علاوہ بستی شہر میں روڈ ٹاؤن کلب کے بغل میں مسجد اور لڑکوں کے لئے ابوالکلام آزاد بوائز اسکول اور لڑکیوں کے لئے خدیجۃ الکبریٰ گرلز اسکول ایک بڑی زمین پر اور نوگڈھ سے آگے تلسڑی میں ایک مسجد اور مدرسہ اور اپنے گاؤں تندوا میں دومنزلہ مسجد اور ایک بڑا جونیئر اسکول اور اس میں اس کے شایان شان ایک بڑی مسجد قائم کر چکا تھا اور اپنا علاقہ ہونیکی وجہ سے بارہ مسجدیں بھی بنوا چکا تھا اور یہ سب اللہ کی توفیق اور مدد سے ہوا تھا۔ اس لئے علاقہ میں مزید توسیع کے لئے تیار نہ ہو سکا۔ ان کے چھوٹے بیٹے قمر عالم اس سلسلے میں ملے لیکن میرے پاس اس وقت معذرت کے علاوہ کچھ نہ تھا، بہرحال مولانا کی شفقت اور ڈانٹ ڈپٹ برابر جاری رہی، اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور ان کو ان کی دعوتی اور اصلاحی مساعی کا اجر جزیل عطا فرمائے۔ آمین

آخری بات :

عام طور پر لوگوں کے تاثرات یہ ہیں کہ مولانا صرف ایک واعظ و مقرر تھے لیکن بہت کم لوگ ایسے ہیں جو مولانا کی زندگی کے مختلف کمالات کا گہرائی سے مطالعہ کر سکے ہوں "القرآن یفسر بعضہ بعضا" یعنی قرآن کی آیتیں خود دوسری آیتوں کی تفسیر کرتی ہیں اور شیخ الاسلام علامہ ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ کی مشہور تفسیر "تفسیر القرآن بکلام الرحمٰن" اس حقیقت کی تحریری تفسیر ہے اور مولانا عبدالقیوم رحمانی رحمہ اللہ کی تقریریں اس کی واعظانہ تفسیر تھیں۔ مولانا جب تقریر کرتے تھے تو لگتا تھا کہ قرآنی آیات کا ایک سیل رواں ہے جو ان کی زبان پر جاری و ساری ہے۔ واعظوں میں

مولانا عبداللطیف جونا گڑھی اور خطیبوں میں مولانا آزاد کے علاوہ قرآن کا اس طرح بروقت استعمال کرنے والا کوئی مشکل ہی سے ملے گا۔ مواعظ و دعوتی تقریروں میں جن چند لوگوں کو شہرت ملی ان میں مولانا عبدالرؤف رحمانی جھنڈانگری رحمہ اللہ اور ان سے کافی پہلے خطیب العلماء مولانا محمد صاحب جونا گڈھی رحمہ اللہ، اور ایسے بہت کم خطیب و واعظ ہیں جو کئی دہائیوں تک خطابت و وعظ میں کامیاب و کامران رہے ہوں اور ان کے مواعظ اور خطب میں کمزوری نہ آئی ہو۔ ان میں مولانا عبدالرؤف رحمانی اور مولانا عبدالقیوم رحمانی کی مثالیں نمایاں ہیں۔

مولانا عبدالقیوم رحمہ اللہ ایک اچھے انشاء پرداز بھی تھے۔ دارالحدیث رحمانیہ کے ترجمان ماہنامہ محدث میں ان کے متعدد مضامین شائع ہوتے رہے چند کا مشتے نمونہ از خروارے میں ذکر کرتا ہوں :

☆ مسئلہ جہاد پر اجمالی نظر

☆ قرآن اور توحید باری تعالی (دو دو قسطوں میں شائع ہوئے)

☆ ایثار مجسم کی زندگی کے مختصر حالات

پہلا مضمون ۸/دسمبر ۱۹۳۷ء اور ۹/فروری ۱۹۳۸ء میں شائع ہوا اور دوسرا مضمون یکم مئی ۱۹۳۸ء اور ۲/جون ۱۹۳۸ء میں شائع ہوا اور آخری مضمون ۴/اگست ۱۹۳۸ء میں شائع ہوا۔ محدث کے ۷/نومبر ۱۹۳۶ء کے شمارہ میں ان کی ایک طالب علمانہ نظم "حسن عمل" بھی شائع ہوئی۔

لمحۂ فکریہ :

علمائے دین اور کتاب وسنت کے خدام جس تیزی سے وفات پا رہے ہیں اس پر اللہ کے رسول کا فرمان "اِن اللہ لا یقبض العلم انتزاعا ینتزعه من العباد و لکن یقبض العلم بقبض العلماء" پورے طور پر صادق آرہا ہے لیکن سب سے بڑی عبرت کی بات یہ ہے کہ ان علماء باعمل کی وفات سے جو خلا پیدا ہو رہا ہے ہزاروں مدارس، جامعات و معاہد کے ہوتے ہوئے

اس خلا کے پر ہونے کی کوئی صورت نظر نہیں آ رہی ہے، تنہا دارالحدیث رحمانیہ دہلی نے ایک چوتھائی صدی سے بھی کم مدت میں عرب وعجم میں اتنے علماء بلکہ ائمہ امت اسلامیہ کو دیئے کہ ان کا شمار بھی مشکل ہے، جامع المعقول والمنقول علامہ نذیر احمد رحمانی، شیخ الحدیث مولانا عبید اللہ رحمانی، مولانا عبدالغفار حسن رحمانی، مولانا محمد منتصر رحمانی، داکٹر آفتاب احمد رحمانی، شیخ الحدیث مولانا احمد اللہ بنگالی، سعودی عرب کے عظیم مصلح شیخ عبداللہ قرعاوی، مولانا عبدالحلیم اڈیٹر محدث دہلی، مولانا عبد الواجد رحمانی مدراسی، مولانا عبید الرحمان عاقل رحمانی اور متاخرین میں مشہور مربی ومدرس مولانا محمد اقبال رحمانی، خطیب الاسلام مولانا عبدالرؤف رحمانی، مولانا نظیر الحسن سہسوانی، مولانا عبدالجلیل رحمانی، مولانا حکیم محمد اسحاق رحمانی بسکوہری، مولانا محمد بشیر رحمانی مبارکپوری، مولانا محمد یوسف رحمانی بہرائچی، مولانا عبدالصبور رحمانی، مولانا محمد ادریس آزاد رحمانی، مولانا عبدالرحیم رحمانی، مولانا ابوشحمہ رحمانی، مولانا حکیم ضیاء الدین ضیاء رحمانی الہ آبادی، مولانا عبدالحکیم مجاز رحمانی، مولانا عصمت اللہ رحمانی میں سے ہر ایک اپنے اپنے دور میں بے مثال حیثیت رکھتا تھا۔ اس عظیم قافلہ کے آخری سپہ سالار اور عالم ومفسر اور واعظ وداعی مولانا عبدالقیوم رحمانی بستوی رحمہ اللہ تھے۔

مولانا عبدالقیوم رحمانی صاحب رحمہ اللہ کی ایک اور خصوصیت تھی جس میں سب سے کم عمر ہونے کے باوجود وہ مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا سید داؤد غزنوی، حجۃ الاسلام مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی اور قاضی محمد عدیل عباسی وغیرہم کی طرح ملکی سیاست کے عظیم مجاہد تھے۔ اس قحط الرجال کے دور میں سوائے اس کے ہم کیا کہ سکتے ہیں کہ رب العالمین کتاب وسنت اور عقیدہ ومنہج سلف صالح کے خادم مدارس وجامعات کو توفیق دے کہ وہ پورے خلوص وللّٰہیت کے ساتھ اس خلا کو پر کرنے کی کوشش کریں۔ ولیس ذالک علی اللہ بعزیز.

☆ ☆ ☆

مجاہد جنگ آزادئ ہند

مفسر قرآن مولانا عبدالقیوم رحمانی

کی زندگی کے درخشاں پہلو

عبدالمنان سلفی

(ایڈیٹر: ماہنامہ مجلّہ السراج جھنڈانگر نیپال)

مارچ ۲۰۰۴ء میں صوبہ جھارکھنڈ کے شہر پاکوڑ میں مرکزی جمعیت اہلحدیث ہند کے زیر اہتمام اٹھائیسویں آل انڈیا اہلحدیث کانفرنس کا انعقاد عمل میں آیا، اس مبارک موقعہ پر جماعت کے بالغ نظر قائدین نے ہندوستان کے ۱۶ ر منتخب اور ممتاز علماء کو ان کی مختلف النوع طویل دعوتی، تدریسی، ادبی، رفاہی اور سیاسی خدمات کو خراج تحسین وعقیدت پیش کرنے کے جذبہ سے ایوارڈ اور انعامات سے نوازا، ان ۱۶ ر منتخب علماء میں مفسر قرآن حضرت مولانا عبدالقیوم رحمانی رحمہ اللہ کا اسم گرامی بھی شامل تھا جنہیں ہندوستان کی جنگ آزادی میں سرگرم شمولیت اور طویل دعوتی خدمات انجام دینے کے صلہ میں ایوارڈ وانعام سے نوازا گیا، کانفرنس کے اختتام کے بعد مرکزی جمعیت کے قائدین نے جب ہفت روزہ ترجمان کے کانفرنس نمبر کی اشاعت کا فیصلہ کیا تو اس میں ان گراں قدر اور بزرگ شخصیات کے حالات زندگی شامل کرنا مناسب سمجھا، چنانچہ مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے ناظم عمومی مولانا اصغر علی امام مہدی رحفظہ اللہ نے والد محترم مولانا عبدالحنان فیضی رحفظہ اللہ اور مفسر قرآن رحمہ اللہ کی سوانح حیات مرتب کرنے کی ذمہ داری میرے سپرد کی، والد محترم کے حالات تو میں نے ان سے دریافت کر کے جلد ہی قلمبند کر لیا مگر حضرت مولانا کے بارے میں معلومات حاصل کرنے میں مجھے وقت لگا اور کچھ دقت بھی پیش آئی، دراصل میرے ممدوح حضرت مفسر قرآن ان نمائشی چیزوں پر یقین نہ رکھتے تھے، وہ خمول اور گمنامی کو پسند فرماتے اور اپنی امکانی

کوشش بھر خود کو نمایاں کرنے سے اجتناب کرتے تھے، میں نے حالات زندگی کے تعلق سے چند سوالات مرتب کر کے اپنے رفیق کار مولانا خیر اللہ اثری کو مولانا کی خدمت میں دو تین بار بھیجا کہ جا کر مولانا سے ان سوالوں کے جواب حاصل کر لیجئے پھر میں انہیں اپنے طور پر ترتیب دے لوں گا، مولانا خیر اللہ گئے میرا اسلام کہا اور مقصد بیان کیا، حضرت مولانا نے سوال پر مشتمل کاغذ خاموشی سے لے لیا اور حسب عادت متعدد موضوعات پر قرآنی آیات کی تفسیر بیان کرنا شروع کر دیا، کافی وقت گذر جانے پر خوبصورتی سے میرے قاصد کو ٹالتے ہوئے کہا مولوی عبدالمنان سے کہو ان سب کاموں میں وقت ضائع نہ کریں، اور پھر مولانا خیر اللہ ناکام واپس آگئے دوسری بار میں نے پھر انہیں کو بھیجا کہ جا کر مولانا سے عرض کیجئے کہ دہلی سے بار بار فون آرہا ہے اور ان سوالوں کے جواب کی سخت ضرورت ہے، مولوی خیر اللہ صاحب گئے تو مگر پہلے کی طرح مولانا کی علمی باتوں سے دامن بھر کر آئے مگر مجھے جو مطلوب تھا اس کے پانے اور لانے میں ناکام رہے بالآخر میں نے خود حاضرِ خدمت ہونے کا فیصلہ کیا اور مولانا کو قابو میں کرنے کیلئے کچھ ضروری اسباب سے خود کو لیس کر لیا ان میں ایک چھوٹا جیبی سائز کا ٹیپ ریکارڈر بھی تھا، مولانا چونکہ میرے دادا مولانا محمد زماں رحمانی کے شاگرد بھی تھے اور میرے والد محترم کے قدرداں بھی اس لئے میرے ساتھ مولانا کا رویہ بڑا مشفقانہ تھا، حاضر خدمت ہوتے ہی اندر آواز دیا اور ناشتہ و چائے سے ضیافت کی، وہ میرے آنے کا مقصد تو سمجھ گئے تھے مگر میں نے ان پر خود سے ظاہر نہ کیا اور ٹیپ ریکارڈر کھول کر بالکل اپنی علاقائی زبان میں سوالات شروع کئے، مولانا اس تعلق سے کچھ کہتے پھر گویا ہوتے چھوڑو ان باتوں کو پھر اپنے انداز میں مجھے نصیحت کرتے اور فرماتے کہ کرنے کے یہ کام ہیں جو تمہیں کرنا چاہئے، موقعہ پا کر میں پھر کوئی سوال کر بیٹھتا اور مولانا جواب دیتے اور جیسے احساس ہوتا کہ میں ان کا انٹرویو کر رہا ہوں فوراً موضوع بدل دیتے، اس طرح تقریباً ڈیڑھ گھنٹے میں مجھے اپنے مطلب کی ضروری چیزیں حاصل ہو گئیں اور ان کے ساتھ بہت ساری بیش بہا نصیحتیں اور گراں قدر مشورے بھی، پھر واپس آکر میں نے مولانا

کے ساتھ ہوئی اس گفتگو کی روشنی میں آپ کا پہلا سوانحی خاکہ مرتب کیا جو ایک حد تک مولانا کی خود نوشت کی حیثیت رکھتا ہے، پھر اسے جماعت کے ذمہ داران کو بھیجا اور وہ کانفرنس نمبر میں شائع ہوا، یہ تفصیل لکھنے کی ضرورت اس لئے محسوس ہوئی کہ اس مضمون کا پس منظر لوگوں کی نگاہوں میں رہے اور اندازہ ہو سکے کہ اللہ کے مخلص بندے کس طرح ریا و نمود سے دور رہ کر گمنامی اور خمول کی زندگی کو پسند فرماتے تھے، ترجمان کے کانفرنس نمبر میں چھپے اس مضمون کو بنیاد بنا کر آپ کے صاحبزادہ جناب بدر عالم خان اور آپ کے رفقاء اور احباب نے بھی مضامین لکھے اور کچھ اضافہ کے ساتھ انہیں کہیں کہیں پیش کیا، وہی مضمون کچھ اضافہ اور تبدیلی کے ساتھ نذر قارئین ہے، (عبدالمنان سلفی)

یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ ہندوستان کو انگریزوں کی غلامی سے نجات دلانے اور ملک کے باشندوں کو برطانوی سامراج سے آزاد کرانے میں مسلمانوں کا عموماً اور ان کے مقتدر علماء کا کردار خصوصاً سب سے نمایاں اور اہم رہا ہے مگر ایک سازش کے تحت ہندوستان کی جنگ آزادی کی تاریخ کو مسخ کرنے کی کوشش کی گئی اور مجاہدین جنگ آزادی کی فہرست سے مسلمانوں اور ان کے عالموں کا نام چن چن کر نکال دیا گیا، اور آہستہ آہستہ اب تو معاملہ یہاں تک آپہنچا کہ بھارت کے جن علماء نے جنگ آزادی کی قیادت کی تھی انہیں وطن دشمن اور وہ مدرسے جو تحریک آزادی کے مرکز کے طور پر استعمال ہوتے رہے انہیں اب وطن مخالف سرگرمیوں کا اڈہ قرار دیا جا رہا ہے، اس لئے ضرورت ہے کہ موجودہ اور آئندہ نسل کو اپنی صحیح تاریخ سے روشناس اور واقف کرانے کے لئے مسلم مجاہدین آزادی کی خدمات پر مشتمل منصوبہ بند طریقہ پر ہندوستان کی مفصل تاریخ آزادی لکھی جائے اور ملک و ملت کے ان جیالوں کو خراج تحسین اور نذرانہ عقیدت پیش کیا جائے جو سر سے کفن باندھ کر آزادی کی لڑائی میں ہراول دستہ کے طور پر شریک رہے اور اپنا سب کچھ داؤ پر لگا کر ملک کو انگریزوں کی غلامی سے آزاد کرانے میں کامیابی دلائی۔

مجاہدین جنگ آزادی میں ایک باوقار نام ہندوستان کے شمال مشرقی ضلع سدھارتھ نگر (سابق ضلع بستی) کے مفسر قرآن مولانا عبدالقیوم رحمانی کا بھی ہے جنہوں نے آزادی ہند کی تحریک میں عملی حصہ لے کر ملک کو آزاد کرانے میں بھرپور حصہ لیا اور جن کا انتقال حال ہی میں مختصر علالت کے بعد ۲۸/ مئی ۲۰۰۸ء کو کم وبیش ۸۸/ برس کی عمر میں ہوا ذیل میں مولانا کی دعوتی سیاسی خدمات کو خراج تحسین وعقیدت پیش کرتے ہوئے ان کی زندگی کے اہم گوشوں پر روشنی ڈالی جارہی ہے، واللہ الموفق۔

خاندانی حالات : ضلع سدھارتھ نگر (سابق ضلع بستی) کے مشہور سرحدی قصبہ بڑھنی اور نیپال کے شہرت یافتہ سرحدی مقام کرشنا نگر سے تین کلومیٹر کے فاصلہ پر ایک مسلم اکثریتی بستی ''دودھونیاں'' بالکل لب سڑک واقع ہے، مولانا عبدالقیوم بن زین اللہ رحمانی بستوی کا تعلق اسی گاؤں کے ایک معزز اور صاحب حیثیت خاندان سے تھا۔

<u>ولادت</u>:۔ مولانا عبدالقیوم رحمانی رحمہ اللہ کے بیان کے مطابق موصوف کی پیدائش دودھونیاں میں ۲۰/ جنوری ۱۹۱۸ء کو ہوئی۔

تعلیمی مراحل : مولانا کے بقول ان کے بچپن میں چونکہ دودھونیاں گاؤں کے اندر باقاعدہ مکتب قائم نہ تھا، ایک میاں صاحب مسجد میں قرآن ناظرہ وغیرہ کی تعلیم دیا کرتے تھے اسلئے باقاعدہ تعلیم کے لئے مولانا گاؤں سے متصل سیورا کے سرکاری پرائمری اسکول میں داخل کئے گئے جہاں آپ کی ابتدائی تعلیم مکمل ہوئی، پھر کم وبیش ایک سال آپ نے جامعہ سراج العلوم جھنڈانگر میں فارسی اور عربی کی ابتدائی کتابوں کی تعلیم مولانا محمد زماں رحمانی رحمہ اللہ (م ۱۹۷۸ء) اور اس وقت کے بعض دیگر اساتذہ کرام سے حاصل کیں۔

جھنڈانگر سے فارسی اور عربی کی ابتدائی کتابیں پڑھنے کے بعد آپ نے جامعہ اسلامیہ فیض عام میں داخلہ لیا اور وہاں عربی کی ابتدائی جماعتوں کی تعلیم حاصل کی اور بالخصوص مولانا

عبدالرحمان نحوی رحمہ اللہ سے اکتساب فیض کیا، پھر اعلیٰ تعلیم کے حصول کا شوق آپ کو دہلی لے گیا اور تقسیم ہند سے قبل جماعت کی شہرۂ آفاق اور مردم ساز درسگاہ دارالحدیث رحمانیہ میں داخل ہوئے اور شیخ الحدیث مولانا احمد اللہ پرتاب گڈھی (تلمیذ رشید شیخ الکل فی الکل سید میاں نذیر حسین محدث دہلوی رحمہ اللہ) اور شیخ الحدیث مولانا عبید اللہ رحمانی مبارکپوری، مولانا نذیر احمد املوی، مولانا عبدالغفور بسکوہری، مولانا سکندر علی ہزاروی رحمہم اللہ جیسے اساطین فن سے اکتساب فیض کیا اور مولانا کے بقول ۱۹۴۰ء میں یہیں سے شیخ الحدیث مبارکپوری رحمہ اللہ کے ہاتھوں دستار بندی ہوئی، دارالحدیث رحمانیہ دہلی سے شائع ہونے والے ماہنامہ محدث میں مدرسہ کی کارکردگی اور علمی سرگرمیوں پر مشتمل سالانہ رپورٹ شائع ہوئی تھی، چنانچہ نومبر ۱۹۳۸ء کے شمارہ میں ادارہ کی جانب سے جو مفصل رپورٹ شائع ہوئی ہے اس میں مولانا کا ذکر خیر بڑے اچھے انداز میں کیا گیا ہے اس رپورٹ سے حصول علم میں آپ کی محنت دلچسپی اور لگن کا اندازہ بخوبی ہوتا ہے، رپورٹ ملاحظہ فرمائیں''۔اس کے بعد پانچویں جماعت کے ایک طالب علم عبدالقیوم بستوی نے ترمذی شریف کی حدیثیں زبانی سنائی، دیکھنے والے حیران تھے کہ ممتحن صاحب نے کتاب (ترمذی شریف) منگوا کر اپنے سامنے رکھی اور جس باب سے متعلق فرماتے فوراً اس کی حدیثیں فرفر یہ طالب علم سنانا شروع کر دیتا،،۔ (محدث رحمانیہ دہلی، ص ۳۷ ماہ نومبر ۱۹۳۸ء)

اس رپورٹ کی روشنی میں مولانا کی فراغت اور دستار بندی کا سن ۱۹۴۱ء درست معلوم ہوتا ہے جبکہ مولانا نے اپنی زبانی ۱۹۴۰ء بتایا ہے، اسلئے کہ آپ ۱۹۳۸ء میں پانچویں جماعت میں تھے اور رحمانیہ میں فراغت کی سند آٹھویں جماعت میں ملتی تھی، یہ معاملہ تحقیق طلب ہے۔

آپ نے دہلی کی مسجد فتح پوری میں داخل ہوکر پنجاب بورڈ کے اعلیٰ امتحان مولوی فاضل کی تیاری کی اور امتحان میں کامیاب بھی ہوئے اس مرحلہ میں آپ نے مولانا سعید احمد اکبر آبادی اور مولانا عاشق الٰہی بلند شہری سے استفادہ کیا۔

جنگ آزادی میں سرگرم شمولیت : جس زمانہ میں آپ دہلی میں زیر تعلیم تھے اس وقت پورے ہندوستان میں آزادی کی تحریک نہ صرف زوروشور سے جاری تھی بلکہ کامیابی کے آخری اور نتیجہ خیز دور میں داخل ہو رہی تھی، مولانا ذہین وفطین ہونے کے ساتھ حساس دل ودماغ کے مالک تھے اس لئے انہوں نے حالات کا جائزہ لیا اور زمانہ طالب علمی ہی میں تحریک آزادی میں شامل ہونے کا فیصلہ کرلیا اور تعلیم سے فراغت کے بعد عملی طور پر مجاہدین آزادی کے قافلہ میں شامل ہو گئے، مولانا نے تحریک میں اپنی شمولیت کا ذکر ان الفاظ میں کیا :

''اس زمانہ میں ملک کے سیاسی حالات سے میں متاثر بھی تھا اور انگریز حکومت ہندوستانیوں پر مظالم کے جو پہاڑ توڑ رہی تھی اور انہیں کالا پانی بھیج کر جو انسانیت سوز سزائیں دے رہی تھی ان سے میں دکھی بھی تھا کہ حسن اتفاق مجھے سید احمد شہید رحمہ اللہ کی سوانح حیات پڑھنے کا موقعہ ملا، اس کتاب نے میرے تن بدن میں آگ لگادی اور میرے دل میں انگریزوں کے خلاف شدید نفرت پیدا ہوئی، جس کے نتیجہ میں میں نے عملاً سیاسی میدان میں اترنے کا فیصلہ کیا اور جب گاندھی جی اور مولانا ابوالکلام آزاد نے ہندوستانی قوم کو "Do Or Die" (کرو یا مرو) کا نعرہ دیا تو میں جنگ آزادی کی تحریک میں باقاعدہ شامل ہو گیا''۔

آزادی کی لڑائی میں مولانا عبدالقیوم رحمانی انڈین یونین مسلم لیگ کے بجائے انڈین نیشنل کانگریس کے ساتھ رہے اور گاندھی جی، مولانا ابوالکلام آزاد، اور پنڈت جواہر لال نہرو وغیرہ کے سیاسی نظریات کے حامی رہے۔

تحریک آزادی میں سرگرم شمولیت کے سبب مولانا حکومت برطانیہ کی نظر میں جلد ہی آگئے بالآخر گرفتاری کا وارنٹ جاری ہوا اور آپ کو آپ کے آبائی وطن دودھونیاں سے گرفتار کر کے پہلے بستی جیل میں رکھا گیا پھر وہاں سے نینی جیل (الہ آباد) منتقل کر دیا گیا جہاں آپ نے تقریباً ۹ مہینہ تک قید وبند کی صعوبتیں برداشت کیں، نینی جیل میں آپ کو وطن کے بڑے بڑے سیاسی

رہنماؤں جنگ آزادی کے قائدین کے ساتھ رہنے کا موقعہ ملا، ان میں سابق وزیر اعظم ہند جناب لال بہادر شاستری، فیروز گاندھی، مولانا حسین احمد مدنی (اسیر مالٹا) پنڈت سندر لال، مظفر حسین اور پنڈت کملا پتی ترپاٹھی وغیرہ جیسی اہم اور قد آور سیاسی شخصیات قابل ذکر ہیں۔

الہ آباد جیل میں طویل مدت تک قید و بند کی صعوبتوں کے باوجود آپکا حوصلہ پست نہ ہوا بلکہ جیل سے رہائی کے بعد آپ کی سرگرمیوں میں مزید اضافہ ہو گیا اور جیل میں جنگ آزادی کے صف اول کے رہنماؤں کی صحبت نے آپ کے اندر مزید عزم و حوصلہ اور جرأت و ہمت پیدا کی، آپ نے علاقہ میں گھوم گھوم کر حکومت برطانیہ کے خلاف لوگوں کو ابھارا اور ان کے دلوں میں آزادی کے جذبات موجزن کیے جس کے نتیجہ میں آپ کو دوسری بار پھر گرفتار کیا گیا اور رہائی کے بعد کئی ماہ لکھنو جیل میں پابند سلاسل رہے، مولانا نے بتایا کہ قید و بند کے ان ایام سے میں نے فائدہ اُٹھایا اور جیل میں پابندی کے ساتھ کتابوں کا مطالعہ کرتا رہا اس سے ایک طرف میں بیکاری کے کرب سے محفوظ رہا تو دوسری طرف مجھے علمی لحاظ سے بڑا فائدہ پہنچا۔

ہندوستان کے سابق وزراء اعظم پنڈت جواہر لال نہرو، لال بہادر شاستری، اندرا گاندھی اور چودھری چرن سنگھ اور صوبہ اتر پردیش کے کئی وزراء اعلیٰ سے مولانا کے ذاتی تعلقات اور قریبی مراسم تھے اور یہ سب مولانا کے بڑے قدرداں تھے تاہم آپ نے ان اہم شخصیات سے کبھی کوئی سیاسی فائدہ اٹھانے کی کوشش نہ کی، یہ مولانا کے اخلاص کی بین دلیل ہے۔

دعوتی خدمات: ملک کی آزادی کے بعد چونکہ بنیادی مقصد پورا ہو گیا تھا اس لئے مولانا کو ملک کی سیاست سے اب خاص دلچسپی نہ رہی بلکہ عملاً وہ سیاست سے کنارہ کش ہو گئے، اور آپ نے عملی زندگی کا رخ دعوت و تبلیغ کی جانب موڑ دیا اور آپ کی عملی زندگی کے تقریباً پچاس ساٹھ برس دعوت و تبلیغ جیسے مقدس فریضہ کی ادائیگی میں گزرے آپ نے وسیع و عریض ہندوستان کے ہر خطہ میں شمال سے جنوب تک اور مشرق سے مغرب تک دعوتی اسفار کئے اور خالص قرآنی آیات کی روشنی

میں دعوتی فریضہ انجام دیا، بالخصوص بہار، جھارکھنڈ، مغربی بنگال، یوپی اور ممبئی وغیرہ میں آپ کی آمدورفت زیادہ رہی اور ان علاقوں میں آپ کی تبلیغ کا زبردست اثر ہوا، ہندوستان سے متصل نیپال کے ترائی میں بھی آپکی دعوتی کاوشوں کے نتیجہ خیز اثرات مرتب ہوئے۔

مجاہد جنگ آزادی ہونے کی وجہ سے حکومت ہند کی جانب سے سفر وغیرہ کی سہولیات مولانا کو حاصل ہوئیں ان سے مولانا نے دعوتی فائدہ اٹھایا اور بلا تکلف ہندوستان کے گوشے گوشے میں پہنچتے رہے پیرانا سالی اور کمزوری کے ایام میں بھی آپ کی دعوتی سرگرمیاں کم نہ ہوئیں اور جب کسی نے آپ کو دعوت دی تو آپ بلا تکلف وہاں پہنچ گئے حتی کہ آپ کی موت بھی اسی راستے میں آئی، یوں تو آپ نے فراغت کے چند برسوں بعد سے اپنی تقریروں کے ذریعہ دعوت دین کا فریضہ انجام دینا شروع کر دیا تھا، مگر موصوف کو اس میدان میں ملک گیر شہرت ان کی دو تقریروں کے ذریعہ ہوئی، ایک تقریر موصوف نے دارالعلوم ششہنیاں ضلع سدھارتھ نگر کے عظیم الشان جلسہ میں کی ،جس کا عنوان تھا،"امراء وسلاطین کے ذریعے علماء اہلحدیث اور محدثین کی ابتلاء وآزمائش"، جن لوگوں نے آپ کی اس تقریر کو سنا ہے ان کا بیان ہے کہ دوران تقریر فتنۂ خلق قرآن کے سلسلہ میں حضرت احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی استقامت کا واقعہ سناتے ہوئے مولانا بہت پرجوش ہو گئے اور پورے اسٹیج پر چلتے ہوئے ابن حنبل زندہ باد کا نعرہ لگایا اور دوسری تقریر جس نے موصوف کو شہرت و دوام بخشی وہ صوبائی جمعیت اہلحدیث یوپی کی ریاستی کانفرنس منعقدہ تلسی پور (بلرام پور) میں ہوئی جسے علماء نے سراہا اور عوام نے بے حد پسند کیا، اسکے بعد آپ کی خطابت کا سورج پورے ملک میں چمکنے لگا۔

اسلوب خطابت :آپ کی تقریریں اس لحاظ سے ممتاز رہتی تھیں کہ مرحوم قرآنی آیتوں کے حوالہ سے اپنی باتیں پیش کرتے تھے، کہیں ضرورت کے وقت احادیث بھی پڑھتے تھے مگر تاریخی واقعات شاذ ونادر ہی بیان کرتے تھے دوران گفتگو آپ نے یہ منفرد اسلوب دعوت وتبلیغ اختیار

کرنے کا سبب ان الفاظ میں بیان کیا :

''بالعموم ہمارے علماء اپنی تقریروں میں تاریخی واقعات، قصے اور مثالیں بیان کرتے ہیں جبکہ قرآن میں صاف اور صریح حکم ہے:'' فذکّر بالقرآن من یخاف وعید،، (ق:۴۵) (تو آپ قرآن کے ساتھ انہیں سمجھاتے رہیں جو میرے وعید سے ڈرتے ہیں) چنانچہ میں نے عام علماء کی روش سے ہٹ کر اپنی تبلیغ کا ذریعہ قرآن ہی کو بنایا اور اپنی تقریر کو قرآنی تعلیمات ہی میں محصور رکھا، اسلئے کہ قرآن میں قصص و واقعات، امثال و حکم اور تبلیغ و وعظ کے تمام مواد موجود ہیں،،۔

آپ تقریر میں ایک ایک موضوع پر دسیوں قرآنی آیات اپنے خاص انداز میں اس طرح روانی کے ساتھ پڑھتے تھے کہ سماں بندھ جاتا تھا اور سننے والوں کے دلوں پر خاص اثر پیدا ہوتا تھا آپ گو کہ باقاعدہ حافظ قرآن نہیں تھے تاہم قرآن کریم کا بیشتر حصہ حوالہ کے ساتھ اخیر عمر تک ازبر تھا، قرآن کی تفسیر وتوضیح کے لئے'' القرآن یفسر بعضه بعضاً'' کا اصول آپ کے پیش نظر ہوتا تھا، قرآنی آیات کا ترجمہ اس قدر صاف اور رواں کرتے تھے کہ سارا مفہوم ترجمہ ہی سے واضح ہوجاتا تھا، بعض آیات کا ترجمہ عوامی زبان میں اس طرح فرمادیتے تھے کہ اس مفہوم کو بیان کرنے کے لئے اردو کے بھاری بھرکم الفاظ قاصر و عاجز نظر آتے تھے، مولانا اپنی اسی خصوصیت کے سبب ''مفسر قرآن،، کے لقب سے ملقب ہوئے۔

توحید آپ کا پسندیدہ موضوع تھا، آپ دوران خطاب اس موضوع کو بڑے سلیقہ سے بیان فرماتے تھے، اور کہتے تھے کہ توحید کے جملہ مضامین سورۃ الفاتحہ میں سمو دئے گئے ہیں، چنانچہ (الحمدلله رب العالمین) میں توحید ربوبیت کا بیان ہے (الرحمٰن الرحیم) میں توحید اسماء وصفات کا ذکر ہے جبکہ (ایاک نعبد و ایاک نستعین) میں توحید الوہیت کو بیان کر دیا گیا ہے۔

خطابت کے دوران کبھی جب آپ موڈ میں ہوتے تھے تو اسٹیج پر بیٹھے علماء کو مخاطب کر کے عربی زبان میں توحید کے اسرار بیان فرماتے تھے اور مفردات القرآن، تفسیر ابن کثیر، الفوز الکبیر اور جلالین وغیرہ کی تفسیری عبارتوں کو عربی زبان میں فرفر سناتے، تفسیری کتابوں میں آپ کو امام راغب اصفہانی کی مفردات القرآن پر زیادہ اعتماد تھا، جس کا اظہار دوران گفتگو آپ نے متعدد بار کیا تھا۔

اس میدان میں ایک خصوصیت آپ کو یہ بھی حاصل تھی کہ آپ کی تقریر بلا اختلاف مسلک و مذہب شوق سے سنی جاتی تھی خصوصًا دیوبندی حلقہ کے جلسوں میں بھی آپ بڑی عقیدت کے ساتھ مدعو کئے جاتے تھے اور ان میں شریک ہو کر آپ دعوتی فریضہ انجام دیتے تھے۔

ایک اہم اعزاز : مولانا کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی ان کو احادیث کی روایت میں سند عالی کا مقام حاصل تھا اس سبب سے بلاد عرب (سعودیہ اور کویت وغیرہ) کے سیکڑوں اسکالرس اور دسیوں بڑے علماء کرام نے ان سے ان کے گھر دودھونیاں پہنچ کر یا انہیں اپنے خرچ پر اپنے یہاں مدعو کر کے ان سے حدیث شریف کی اہم کتابوں کا درس لیا اور اجازۃ الحدیث حاصل کیا، استفادہ کرنے والے ان علماء میں مسجد نبوی کے امام خطیب شیخ علی عبدالرحمٰن الحذیفی، جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے پروفیسر شیخ محمد ابراہیم، ڈاکٹر عاصم القریوتی، کویت کے شیخ ابو خالد فلاح المطیری، شیخ عارف جاوید محمدی، شیخ حافظ محمد اسحاق زاہد مدنی، ڈاکٹر ولید بن محمد بن عبداللہ العلی المطوع، ریاض سعودی عرب کے شیخ محمد بن زیاد بن عمر التکلہ، شیخ بدر بن علی العتیبی، شیخ عدنان داؤدی، شیخ نظام یعقوبی اور ڈاکٹر یحیی بکری وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

تعلیمی و تدریسی خدمات: مولانا نے اپنی عملی زندگی میں تعلیم کے فروغ کے لئے بھی قابل قدر کوششیں کیں، چنانچہ ۱۹۴۶ء میں اپنے علاقہ کے حساس نوجوانوں کے ساتھ اپنے گاؤں کے قریب نیپال سرحد پر واقع بڑھنی بازار میں ''گاندھی آدرش ودیالے'' قائم کیا اور کئی برس تک اس کے مینیجر بھی رہے، بعد میں یہ اسکول ترقی کرتے ہوئے ہائی اسکول اور پھر انٹر کے معیار

تک پہنچ گیا، اور اسی طرح مسلم ہائر سکنڈری اسکول مہدیا سدھارتھ نگر جیسے عصری اور اپنے وقت کے معیاری اسکول کے قیام میں بھی اہم رول ادا کیا، ان کے علاوہ آپ نے دینی تعلیم کے لئے اپنے گاؤں سے متصل اکرہرا نام کی بستی میں درسگاہ اسلامیہ کے نام سے ایک مدرسہ کے قیام میں بنیادی رول ادا کیا، اور اس کے معیار تعلیم کو بہتر بنانے کے لئے آپ نے بلا معاوضہ اعزازی طور پر اس میں تدریسی فریضہ انجام دیا، اور ابتدائی صرف ونحو اور عربی زبان وادب کی کتابیں پڑھائی، چنانچہ مولانا نے بتایا کہ ''جس زمانہ میں میں اکرہرا میں تدریسی خدمت انجام دیتا تھا (ڈاکٹر) عبدالعلیم (ڈاکٹر عبدالعظیم بستوی) جو اس وقت رابطہ عالم اسلامی کے اندر ایک باوقار منصب پر فائز ہیں زیر تعلیم تھے انہوں نے مجھ سے صرف نحو کی کتابیں پڑھیں تھیں، ان کی ذہانت کا ذکر کرتے ہوئے مولانا نے کہا کہ ہمیشہ یہ ''طالب علم،، سوفیصد نمبر حاصل کرتا تھا،، اور اسی طرح آپ اگر کسی مدرسہ میں جاتے تو جس استاد سے آپ کو خاص تعلق اور انس ہوتا ان کے درس میں بیٹھ جاتے اور طلباء کو خود پڑھانا شروع کردیتے، چنانچہ والد محترم مولانا عبدالحنان فیضی حفظہ اللہ کا بیان ہے کہ بارہا ایسا ہوا کہ ''مولانا مدرسہ سرج العلوم جھنڈا نگر میں جلالین کے درس کے دوران میرے کمرہ میں آگئے اور میری جگہ انہوں نے طلبہ کو درس دیا''۔

مدارس و مکاتب کا قیام : ہندو نیپال میں مدارس ومکاتب کی اہمیت سے آپ بخوبی آگاہ تھے اور انکی اہمیت تقریباً ہر مجلس میں بیان بھی کرتے، چنانچہ جس وقت میں نے آپ کے حالات زندگی جاننے کے لئے گفتگو کی تھی اس وقت نیپال میں ماؤنوازوں کی سرگرمیاں عروج پر تھیں چنانچہ آپ نے بطور نصیحت مجھ سے فرمایا کہ نیپال کے مدارس ومکاتب اور مساجد کا سروے کر کے ان کی فہرست تیار ہونی چاہئے اس لئے کہ ملک پتہ نہیں کس سمت جائے اور ان مدارس ومکاتب کے ساتھ آنے والوں کا رویہ معلوم نہیں کیا ہو، آپ نے نیپال کے مدرسوں کو حکومت سے رجسٹرڈ کرانے کی بات بھی کہی تھی تاکہ ان کا ثبوت رہے، اس سے مدارس کے تعلق سے آپ کی حساسیت

اور فکر مندی کا پتہ چلتا ہے، اسی طرح آپ نے دعوتی اسفار کے دوران ہر خطہ کے مسلمانوں کو مدارس و مکاتب کے قیام پر ابھارا اور عملی طور پر اس سلسلے میں تعاون بھی کیا، آپ نے بتایا کہ ممبئی وغیرہ کے بعض مدارس کی تاسیس بھی انہیں کی کوششوں کے نتیجہ میں ہوئی تھی۔

جامعہ سراج العلوم سے آپ کا تعلق : مولانا عبدالقیوم رحمانی رحمہ اللہ کو جامعہ سراج العلوم جھنڈا نگر کی تعمیر و ترقی سے ہمیشہ دلچسپی رہی، چنانچہ دوران گفتگو آپ نے اس سلسلے میں فرمایا کہ ”میں جھنڈا نگر مدرسہ کا ہمیشہ خیر خواہ رہا اور اپنی بساط کے مطابق اس کی خدمت کی کوشش بھی کی، جامعہ کی تاریخ میں ایک وقت وہ بھی آیا جب اپنوں اور غیروں کی سازش کے نتیجہ میں مدرسہ غیر جماعتی ہاتھوں میں کھلونا بن کر رہ گیا تھا اور ناظم مولانا عبدالرؤف رحمانی رحمہ اللہ کو ان کے والد بزرگوار کے قائم کردہ مدرسہ سے علیحدہ کر کے کدر بٹوا مسجد میں بیٹھنے پر مجبور کر دیا گیا تھا، تین چار برسوں میں مدرسہ کی تعمیر و ترقی رک گئی اور وہ رو بہ زوال ہو کر کافی مقروض ہو گیا، مولانا جھنڈا نگری کو اپنے خون جگر سے سیراب کئے ہوئے مدرسہ کی بربادی کا بڑا قلق تھا مگر وہ اس کے لئے کوئی کارروائی نہیں کر پا رہے تھے، مجھے اور علاقہ کے کچھ اور حساس لوگوں کو بھی اس کا صدمہ تھا، چنانچہ ہم لوگوں نے کوشش کر کے غیر جماعتی افراد کو بے دخل کیا اور مدرسہ دوبارہ مولانا جھنڈا نگری رحمہ اللہ کے حوالہ کیا گیا جسے موصوف نے اپنے خون جگر سے سیراب کر کے بام عروج تک پہنچایا“ مولانا نے یہ انکشاف بھی کیا کہ ”تقریباً پچیس برسوں تک مدرسہ سراج العلوم کی مجلس منتظمہ کے صدر کی حیثیت سے بھی اس کی خدمت کرتا رہا“۔ اور یہ حقیقت ہے کہ جس وقت مدرسہ سراج العلوم جھنڈا نگر اپنوں کی غفلت اور غیروں کی ریشہ دوانیوں کے سبب غیر جماعتی ہاتھوں میں جا کر کھلونا بن گیا تھا اور اس کی تعمیر و ترقی نہ صرف رک گئی تھی بلکہ مدرسہ رو بہ زوال اور مائل بہ انحطاط ہو چکا تھا، اس نازک گھڑی میں جماعت کے جن غیور اور مخلص بزرگوں نے مدرسہ کو شر پسندوں کے ہاتھوں سے نکال کر اسے دوبارہ خطیب الاسلام حضرت مولانا عبدالرؤف رحمانی رحمہ اللہ کے امین ہاتھوں میں

دیا ان میں مفسر قرآن کا اسم گرامی بھی شامل ہے، چنانچہ جب ان بزرگوں کی کوششوں سے حضرت خطیب الاسلام چار سال کی علیحدگی کے بعد مدرسہ میں تشریف لائے اور اس کے نظم وانصرام کی ذمہ داری سنبھال لی تو اس وقت بہ حیثیت صدر مجلس منتظمہ مفسر قرآن مولانا عبدالقیوم رحمانی رحمہ اللہ نے اخبار اہلحدیث دہلی کی یکم و ۱۵ ؍اپریل ۱۹۵۹ء کی اشاعت میں ''مدرسہ سراج العلوم جھنڈا نگر کا اہم اعلانیہ'' کے عنوان سے یہ بیان چھپوایا:

''ملک کے ہر حصہ میں رہنے والے اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ مدرسہ سراج العلوم، جھنڈا نگر (ریاست نیپال) صرف جناب مولانا عبدالرؤف رحمانی کی انتھک کوششوں اور پر خلوص محنتوں کا نتیجہ ہے، مولانا مسلسل پندرہ بیس سال تک مدرسہ کی خدمت کرتے رہے، آج سے چار سال قبل منتظمہ کمیٹی کے باہمی اختلافات کے پیش نظر مولانا موصوف نظامت سے سبکدوش ہو گئے تھے، اس مختصر عرصہ میں چار پانچ نظامتیں بدلیں اور حالات بد سے بدتر ہوتے چلے گئے، تعلیمی انتظامی، مالی ہر اعتبار سے مدرسہ روبہ زوال ہوتا چلا گیا۔

۲۰ ؍شعبان سال رواں کو مدرسہ کی سالانہ کمیٹی ہوئی، مجلس منتظمہ نے محسوس کیا کہ مدرسہ کو مزید بربادی سے بچانے کے لئے ضروری ہے کہ مولانا موصوف سے التماس کیا جائے کہ وہ مدرسہ کی نظامت کو للہ فی اللہ سنبھال لیں، چنانچہ باتفاق رائے کمیٹی نے مولانا عبدالرؤف رحمانی صاحب کو ناظم اعلیٰ اور حکیم مقبول احمد صاحب کو نائب ناظم مقرر کیا، جملہ برادران اسلام سے التماس ہے کہ مدرسہ کو حسب دستور ہر قسم کا تعاون ارزانی فرمائیں۔ نیازمند عبدالقیوم صدر مجلس منتظمہ''

تصنیفی خدمات: مفسر قرآن رحمہ اللہ کا اصل میدان تو خطابت ہی تھا تاہم آپ میں تحریر وانشاء پردازی کی صلاحیت بھی پائی جاتی تھی، چنانچہ مرحوم دارالحدیث رحمانیہ دہلی سے شائع ہونے والے ماہنامہ محدث میں کم از کم آپ کے دو وقیع مضامین میری نظروں سے گزرے ہیں جن سے میری بات کی تائید ہو جاتی ہے، مئی ۱۹۳۸ء کے شمارہ میں ''قرآن اور توحید باری تعالیٰ'' کے

موضوع پر آپ کے مفصل مضمون کی پہلی قسط چھپی ہے اور مضمون کے آخر میں ''باقی،، لکھا ہے، جس کا مطلب ہے کہ مضمون آئندہ شماروں میں بھی چھپا ہوگا مگر میری فائل میں مئی کے بعد کے کئی شمارے نہیں ہیں، پہلی قسط میں مولانا نے تمہید میں بڑا پر جوش اور ولولہ انگیز اسلوب اختیار کیا ہے اور اصل مضمون میں قرآنی آیات سے استدلال کر کے موضوع کو خوب واضح فرمایا ہے، یہی وہ موضوع ہے جو آپ کی پوری دعوتی زندگی میں آپ کا پسندیدہ موضوع رہا اور اسلوب بھی یہی کہ اپنی بات قرآن کی آیات کی روشنی میں۔

دوسرا مضمون اگست ۱۹۳۸ء کے شمارہ میں ''ایثار مجسم کی زندگی کے مختصر حالات،، کے عنوان سے شائع ہوا ہے جس میں آپ نے دارالحدیث رحمانیہ دہلی کے ناظم و مہتمم شیخ عطاء الرحمٰن رحمہ اللہ کی وفات حسرت آیات کے بعد آپ کے حالات زندگی قلم بند فرمائے ہیں۔

مولانا نے بتایا کہ کسی زمانہ میں انہوں نے دو رسالے بھی لکھے، ایک چالیس احادیث کی تشریحات پر مشتمل ''اربعین'' اور دوسرا ''حاضر و ناظر'' جو مولانا عبدالرؤف رحمانی رحمہ اللہ کی کتاب ''تردید حاضر و ناظر'' کی تائید میں تھا، میں نے یہ دونوں رسالے نہ دیکھے، تیسرا رسالہ ''تاریخ الیھود والنصاریٰ'' عربی زبان میں مطبوع ہے اس رسالہ میں مولانا نے چند ابواب قائم کر کے ان کے تحت قرآنی آیات جمع کر دی ہیں، اہل علم اور محققین کے لئے لائق مطالعہ ہے اس رسالہ کی دوبارہ طباعت کے لئے مولانا نے مجھے حکم دیا تھا مگر ان کی زندگی میں اس کی توفیق نہ مل سکی، اب دیکھئے اس کی اشاعت کی کیا شکل نکلتی ہے۔

ایوارڈ و انعام : مرکزی جمعیت اہلحدیث ہند کے زیر اہتمام ۲۰۰۴ء میں بمقام پاکوڑ منعقدہ آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس میں جن ۱۶ بزرگ علماء کو ان کی متعدد خدمات کے سبب ایوارڈ اور انعام سے نوازے جانے کا اعلان کیا گیا تھا اس میں مولانا کا نام نامی اسم گرامی بھی شامل

،تھا مگر مولانا اس قسم کی نمائشی چیزوں کو پسند نہ کرتے تھے یہی وجہ ہے کہ بعد میں جب ان علماء کو ایوارڈ اور انعامات دینے کے لئے ان کے اپنے اپنے علاقوں میں تقریبات کا اہتمام کیا گیا اور شمال مشرقی خطہ کے علماء کو اس مقصد کے لئے جامعہ اسلامیہ خیر العلوم ڈمریا گنج (سدھارتھ نگر) میں جمع کیا گیا تو از راہ تواضع مولانا اس پروگرام میں شریک نہ ہوئے اور ان کی غیر موجودگی میں مولانا اصغر علی امام مہدی ناظم جمعیت نے مجھ راقم آثم کو نیابتاً ایوارڈ اور انعام وصول کرنے کا حکم دیا اور یہ سعادت میرے حصہ میں آئی۔

اخلاق و عادات: درویش خدا مست مولانا عبدالقیوم رحمانی کی زندگی ظاہری ٹھاٹ باٹ اور کروفر سے پاک وصاف بیحد سادہ تھی، موصوف نے ظاہری اور نمائشی چیزوں کو کبھی اہمیت نہ دی، جوملا کھالیا اور جو ملا پہن لیا، جبکہ ایک خوشحال اور متمول گھرانے سے آپ کا تعلق تھا، مگر آپ کی سادہ زندگی دیکھ کر کوئی اجنبی شخص نہ آپ کے مقام ومرتبہ کا اندازہ لگا سکتا تھا اور نہ آپ کی حیثیت کا، آپ نے کبھی بھی خود کو نمایاں کرنے کی کوشش نہ کی تواضع اور انکساری مولانا کا امتیازی وصف تھا اختلاف وانتشار کو سخت ناپسند کرتے تھے، صلح وصفائی کے لئے ہمیشہ کوشاں رہتے، اعلیٰ اخلاق اور بلند کردار میں سلف کا نمونہ تھے، حق گو اور بے باک بھی تھے اگر کسی سے کوئی علمی لغزش ہو جاتی تو برملا ٹوک دیتے اور اچھے انداز میں دلائل وشواہد کے ساتھ اصلاح فرماتے، سادگی اور تواضع کے سبب آپ کی قدر ومنزلت لوگوں کے دلوں میں بہت زیادہ تھی اور عام وخاص سب کی نگاہوں میں بیحد محترم تھے جس گاؤں کے آپ رہنے والے تھے ایک عرصہ تک پورا گاؤں متفقہ طور سے آپ کو تمام دینی و دنیوی معاملات میں سربراہ تسلیم کئے رہا اور آپ کی خواہش کے علی الرغم آپ کو بلا مقابلہ گاؤں کا پردھان منتخب کرتا رہا آپ اختلاف وانتشار سے کافی دور اور اس کے خاتمہ کے لئے ہمیشہ کوشاں رہتے تھے۔

اولاد و احفاد: آپ کو اللہ نے پانچ بیٹوں اور تین بیٹیوں سے نوازا ہے، بیٹوں کے نام اس

طرح ہیں: بدر عالم خان، مسعود عالم خان، حیدر عالم خان، ظہیر عالم خان، قمر عالم خان ان میں بدر عالم صاحب اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں، ایل۔ایل۔بی۔ کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد مولانا کے سیاسی وارث بن کر میدان سیاست میں سرگرم ہیں، البتہ یہ افسوس کی بات ہے کہ مولانا کا کوئی دعوتی جانشین پیدا نہ ہوسکا، اللہ تعالیٰ پوتوں اور نواسوں کے ذریعہ اس کمی کی تکمیل فرمائے۔ آمین

سفر آخرت: مئی کے آخری ایام میں ایک طویل دعوتی سفر سے واپسی پر راستہ میں آپ کو لو لگ گئی، گھر پر پہنچ کر صاحب فراش ہوگئے، مقامی طور پر علاج ومعالجہ سے جب افاقہ نہ ہوا تو آپ کو ۲۸؍مئی بعد نماز فجر لکھنؤ لے جایا گیا اور وہاں اسٹار نرسنگ ہوم میں داخل کیا گیا مگر ابھی علاج با قاعدہ شروع بھی نہ ہوسکا تھا کہ ۱۱:۴۵ بجے دوپہر کو آپ کی روح قفص عنصری سے پرواز کر گئی، جنازہ اسی روز ۹؍بجے شب میں آپ کے گھر لایا گیا اور ۲۹؍مئی کو ۱۰؍بجے صبح کم وبیش پانچ ہزار اہل توحید نے نماز جنازہ کے بعد آپ کو سپرد خاک کیا، اس موقع پر سرکاری حکام نے بھی آپ کو گارڈ آف آنر پیش کرکے آپ کو خراج عقیدت پیش کی۔

اللہ تعالیٰ مولانا کی تمام خدمات کو شرف قبول عطا فرماتے ہوئے ان کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، آمین

☆ ☆ ☆

مفسر قرآن

مولانا عبدالقیوم رحمانیؒ

مولانا عبدالمعید مدنی علی گڑھ
مدیر ماہنامہ الاحسان دہلی

۱۹۶۷ء یا ۱۹۶۸ء میں تلشی پور ضلع گونڈہ اب بلرام پور میں صوبائی کانفرنس کا انعقاد ہوا تھا۔نہایت شاندار اس وقت عمر ہی کیا تھی۔دیہات سے قصبہ میں گئے ہر طرف اجالا ہی اجالا تھا اور بہار ہی بہار، بڑا اچھا لگ رہا تھا اس وقت تمام سہولتیں میسر ہیں لیکن نہ تواضع ہے نہ علمی اخلاص و بصیرت، نہ باہمی تعاون کا بھرپور جذبہ، اسٹیج پر تقریروں کی مقابلہ آرائی، وقت کے لئے جھگڑا، گانے کے لئے فرمائش ،کھانے کے لئے جھگڑا اور مطالبات،تقریریں بیچنے کی ہوڑ بازی اور ان کا نرخ، دلالی، سواری کے لئے جھگڑا،حق امتیاز اور حیثیت کی چھوٹائی بڑائی کے لئے ناراضگیاں۔سامعین کا شوق غناء اور سنانے والوں کی سطحیت پستی اور علم کی توہین اور اسے ارزاں کرنے کی آمادگی۔جلسوں کے لئے کئے گئے عوامی چندوں میں گھپلا اور عوامی خرد برد۔جلسہ ہے کہ فتنوں کا مظاہرہ اور پھکڑوں سرپھروں کا پریڈ،علم و دولت کا ہراج (نیلام گاہ) جاہل بدکردار گویوں کی تعظیم کا دلدوز منظر۔

بہرحال یاد نہیں کانفرنس کا واقعہ ۶۷ کا ہے یا ۶۸ کا،اس میں بزرگوں کے ساتھ شریک ہوا۔اپنا علاقہ، سارے رشتہ دار موجود، بس عید کا منظر تھا۔ہر شئے بڑی منظم اور مرتب نظم و ضبط ڈسپلین، وہیں پہلے مرکزی دارالعلوم (جامعہ سلفیہ) انجمن ندوۃ الطلبہ کا اسٹال اور المنار کا جلوہ دیکھا اور ابناء قدیم اور طلباء جامعہ کا خوش رنگ دیکھا۔اس کے دو ایک سال بعد ۱۹۶۹ء کے اخیر میں جامعہ رحمانیہ میں عربی سوم میں داخلہ ملا۔

سارے جلوے دیکھے باری آئی تقریریں سننے کی، سنجیدگی ذمہ داری اور دلچسپی اور وقار کا ماحول، خاموشی اور توجہ، بعض معزز علماء کی آن بان اور ان کی تقریر کی شان کا دھندلا سا عکس اب تک ذہن میں موجود ہے۔ مولانا محمد زماں رحمانی کا موثر وعظ، مولانا عبدالقیوم رحمانیؒ کی تقریر، تاریخی تقریر، جس کے بعد ان کی زندگی کا دھارا بدل گیا۔ اس کے بعد ہی وہ سیاست کی خار دار راہ داری سے نکل کر ایک صالح بے نفس قادر الکلام ملک گیر داعی بن گئے۔ پہلی بار میں نے انہیں دیکھا، خطابت کے اسٹیج پر تقریر کرتے ہوئے۔ مونچھیں بڑھی ہوئی، لب ولہجہ باوقار، آواز میں زور اور کھنک کیا موضوع تھا اس وقت اس سے ہمیں سروکار کیا تھا؟ پھر جو وہاں سے شروع ہوئے اور دعوتی سفر جاری کیا تو اس وقت تھمے جب سانسوں کا قافلہ رک گیا۔

میں پہلے ان کا تماشائی تھا پھر شناسائی بنا، دور ونزدیک سے ہمارے گھرانے کی ان کے خاندان سے کئی رشتہ داریاں تھیں اس لئے دوریاں بھی نہیں تھی لیکن میری طبعی کم آمیزی نے دوری بنائے رکھی ہماری ان کی شناسائی اس وقت ہوئی جب میں ۱۹۸۲ء میں جامعہ سلفیہ میں مدرس کی حیثیت سے کام کرنے گیا، ایک بار وہ بنارس جامعہ سلفیہ تشریف لائے اور مجلّہ الجامعۃ السّلفیہ کے میرے ایک عربی مضمون ''السیاسۃ العرجاء'' کے حوالے سے پوچھتے آئے ''عبدالمعید کون ہے۔ میں اسے سو روپے انعام دونگا'' جب انہیں میرے متعلق آگاہ کیا گیا تو فرمایا یہ تو میرا رشتہ دار ہے۔ پھر اس کے بعد بارہا ملاقات ہوئی اور بسا اوقات عربی میں گفتگو کرتے۔ تفسیری نکات بیان کرتے، مشورے دیتے، حکم دیتے، میں پاس ادب میں سراپا نیاز بنا انکی باتیں سنتا رہتا۔

مولانا سے آخری ملاقات اپریل کے آخری ہفتے میں جھارکھنڈ مولانا عبدالستار سلفی کی حویلی میں ہوئی۔ مولانا مدھوپور اور جامتاڑ اضلعوں کی اہلحدیث بستیوں میں کئی دہوں سے تشریف لے جاتے رہے۔ اس بار دو روزہ تعلیمی کانفرنس میں تشریف لے گئے تھے، مسجد میں سلام وکلام ہوا۔ اصغر صاحب (ناظم جمعیت) میرا تعارف کرانے لگے۔ مولانا نے فرمایا یہ ہمارے رشتہ دار

ہیں، دوسرے روز ''الاستقامہ'' کے ایک مضمون کے متعلق ناپسندیدگی کا اظہار کیا کہا اس میں شیعہ شعراء کے اشعار آ گئے ہیں۔ میں نے لاعلمی ظاہر کی فوراً ''الاستقامہ'' کا وہ شمارہ منگایا اور دکھلایا اور سرزنش بھی کی کہ ایڈیٹر ہونے کے ناطے اس کی خوبی خرابی کے ذمہ دار آپ ہیں۔ یہ میری آخری ملاقات تھی اس کے بعد سنا دو ایک جلسوں میں تشریف لے گئے اور پھر آخرت سدھار گئے۔

ان کی پہچان نہ خاندان سے ہے نہ حسب ونسب سے ہے، ان کی پہچان انکی ذہانت، علم، قرآن سے شغف دین کی اشاعت اور دعوتی وتبلیغی جدوجہد سے اور اس کا بھی اعتراف ہوا کہ انہوں نے جنگ آزادی میں عملی طور پر حصہ لیا اور اس کی خاطر جیل بھی گئے اور آزادی کے بعد مجاہد آزادی کی حیثیت سے انہیں خراج تحسین بھی ملا اور عوام وحکومت نے ان کی آزادی کی جدوجہد کو خوب سراہا اور قدردانی وہمت افزائی بھی ہوئی۔

جنگ آزادی کے آخری دنوں میں بلا تفریق مذہب وملت بہتوں نے حصہ لیا جن کی تعداد حد شمار سے باہر ہے البتہ ان میں قائدانہ رول انہیں لوگوں نے ادا کیا جو نظریاتی طور پر قیادت کر سکتے تھے مولانا نے قائدین کا درجہ حاصل کیا۔ اللہ تعالی نے مفسر قرآن کو جو استعداد عطا کی تھی اس کے سبب وہ جہاں رہے ممتاز ونمایاں رہے ان کے اندر نہ زمینداری کا غرور تھا نہ علم کی تعلّی، نہ سیاست کا مکروفریب، نہ تقریر کا پندار، فروتنی، تواضع سادگی اور بے نفسی ان کی پہچان تھی۔ اور کبھی بھی وہ اپنے کسی بھی کام اور محنت کے صلے کے طلبگار بھی نہ بنے کسی فرد کا کردار تشکیل پاتا ہے بے نفسی، تواضع اور جان نثاری سے اگر یہ عناصر موجود نہ ہوں تو کردار تشکیل نہیں پاتا، بے نفسی سے انسان دوسروں کی منت کشی سے نجات پا جاتا ہے۔ تواضع سے معرفت ذات اور معرفت الٰہی حاصل ہوتی ہے اور انسان فتنہ وفساد سے بچ جاتا ہے، جان نثاری سے دین اور انسانیت کی خدمت کا جذبہ فراواں پیدا ہوتا ہے جس کردار میں جس قدر ان عناصر کی بھرپور شمولیت ہوتی ہے اسی کے بقدر انسان کامل اور اچھے کردار کا بنتا ہے روزمرہ کے تصرفات نشانات اور سرگرمیوں کے مشاہدہ سے پتہ

چلتا ہے کہ مفسر قرآن کو ان عناصر کی بے بہا دولت ملی ہوئی تھی با کردار انسان محبوب خلائق بن جاتا اور بہادر بھی ہوتا ہے اس کا ضمیر ہلکا اور زندہ، اس کا دل غنی اور اسکا ذہن صاف ہوتا ہے، مولانا کو محبوبیت بھی حاصل تھی اور باہمت بھی تھے۔ کب کسی کے رعب میں آئے نہ کسی سے دبے۔

ان کی محبوبیت کا منظر میں نے دیکھا بھی ہے، کسی بھی محفل میں جاتے مستفیدین ان کے ساتھ ہوتے، اوران کو سننے کے شائق رہتے۔ علماء کی محفلوں میں قرآنی نکات بتاتے دو سال قبل اہلحدیث کمپلیکس میں منعقد سیمینار کی آخری نشست میں تقریر کی۔ تقریر میں علماء کے اوپر محویت طاری تھی۔ اختتام نشست کے بعد سبزہ زار پر ایک محفل جمی، سوالات اور گفتگو کا دور شروع ہوا ایک گھنٹہ کی محفل میں ہر سوال کا جواب نکات قرآنی کی شکل میں دیا۔ وہ لطف آیا کہ قرآنی معارف الٰہیہ لوگوں کی نگاہوں میں پھر گئیں۔

محبوبیت کا منظر ڈابھا کیند جھارکھنڈ میں دیکھا، ایک خلقت امنڈ پڑی تھی انہیں دیکھنے کے لئے ان کا وہاں کا عوام سے تیس سال سے تعلق تھا۔ اس خطہ میں ۸۰ گاؤں میں اہلحدیث آبادی پھیلی ہوئی ہے، گاؤں گاؤں مولانا کا دیکھا بھالا تھا جب طاقت تھی پیدل اور سواریوں کے ذریعہ قریہ قریہ پہنچ کر مولانا نے لوگوں کو اپنے وعظ ونصیحت سے نوازا۔ دیکھا کہ بوڑھے جوان مولانا کی خدمت کر رہے ہیں کوئی سر دبا رہا ہے کوئی پیر دبا رہا ہے کوئی جسم دبا رہا ہے۔ ایسا مولانا زکریا سہارنپوری کے متعلق سنا تھا۔ اور پھر ڈابھا کیندر میں اس منظر کا مشاہدہ ہوا۔ رسول گرامی ﷺ نے محبوبیت کا نسخہ بتلایا، لوگوں سے غرض نہ وابستہ رکھو قناعت اور غناء نفس حاصل ہوگی۔ قناعت اور غناء نفس سے مفسر قرآن سرفراز تھے۔

کردار انسان کو عظمت و رفعت عطا کرتا ہے اور قدم قدم پر انسان کی رہنمائی کرتا ہے۔ اگر انسان کردار سے خالی ہو اور پڑھا لکھا ہو تو قرآن کی اصطلاح میں اسے گدھے کے مماثل قرار دیا گیا۔ آج سماج میں ایسے گدھوں کی کثرت ہے۔

رحمانی علماء اخلاق و کردار، دین داری اور علم میں گہرائی سے عموماً متصف ہوتے ہیں۔

مفسر قرآن کی زندگی کے تین حصے ہیں : (۱) ۱۹۴۰ء تک تعلیم و تعلم (۲) ۱۹۶۷ء تک سیاست (۳) ۱۹۶۷ء سے ۲۰۰۸ء تک دعوت۔

مفسر قرآن ۲۰ رجنوری ۱۹۱۸ء میں موضع ڈودھنیاں ضلع سدھارتھ نگر یوپی میں ایک زمیندار گھرانے میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گاؤں میں حاصل کی، فارسی کی تعلیم جھنڈانگر میں ہوئی۔ مدرسہ فیض عام مئو میں عربی کی ابتدائی درجات کو پورا کیا۔ پھر دارالحدیث رحمانیہ دہلی میں داخلہ لیا اور ۱۹۴۰ء میں وہاں سے فارغ التحصیل ہوئے۔ اہم اساتذہ میں مولانا احمد اللہ پرتاپ گڈھی جن کا نام کثرت سے مفسر قرآن لیا کرتے تھے، مولانا عبید اللہ مبارکپوری، علامہ نذیر احمد املوی، مولانا سکندر علی ہزاروی، مولانا عبدالغفور بسکوہری ہیں۔

رحمانیہ میں آپ کی تعلیمی کارکردگی مثالی تھی، تقریر، حدیث، عربی بول چال، میں امتیازی مقام حاصل کرتے، اور ہر سال کئی انعام کے مستحق قرار پاتے۔ رحمانیہ میں امتیاز قائم کرنا معمولی بات نہ تھی۔ وہاں امتیاز قائم کرنا دینی علوم میں پورے ملک میں امتیازی حیثیت قائم کرنے کے مترادف تھا۔

مولانا نے پنجاب بورڈ سے مولوی فاضل کا امتحان بھی پاس کیا اور وقت کے دیگر مشاہیر سے بھی استفادہ کیا جیسے مولانا سعید احمد اکبرآبادی وغیرہ۔

دہلی میں مولانا کا تعلیمی دورانیہ سیاسی سرگرمیوں کا تھا، آزادی کی آمد آمد تھی، استعمار درماندہ ہو چکا تھا اور اپنا آخری کروفر دکھلا رہا تھا۔ حالات سے مولانا بھی متاثر ہوئے اور سیاست کی وادئ پرخار میں قدم رکھ دیا استعمار کی نگاہ میں آ گئے اور بستی، نینی (الہ آباد) اور گورکھپور میں قید کی مشقتیں برداشت کیں، لکھنؤ میں دو ایک بار جیل میں قید کئے گئے، سیاست میں آپ کو صف اول کے قائدین کی رفاقت ملی۔ سیاسی میدان میں آنے اور آزادی کی جنگ لڑنے کے سبب مفسر قرآن کا

سیاسی وزن تھا، یہ وزن دور دور تک محسوس کیا گیا اور اپنے علاقے کے اضلاع کو پرامن بنائے رکھنے میں یہ بہت کام آیا۔ ساتھ ہی بہت سے لوگوں کے حوائج پورے ہوئے اور مشکلات دور ہوئیں۔ اس سیاسی اثر ورسوخ کو انہوں نے اپنی ذاتی غرض کے لئے استعمال نہیں کیا۔ گاؤں کے متفق علیہ پردھان ضرور رہے شاید لوگوں کے کہنے سننے سے دو ایک بار صوبائی اسمبلی کا الیکشن بھی لڑے لیکن کامیابی نہیں ملی۔ طبیعت میں استغنا اور الیکشن دونوں متضاد چیزیں ہیں۔ علاقے میں ان کے سیاسی ساتھیوں میں مشہور وسیاسی تعلیمی رہنما قاضی عدیل عباسی اور قاضی جلیل عباسی اور دیگر لوگ تھے۔

سیاست کی دنیا میں رہتے ہوئے انہوں نے چند عصری و دینی تعلیمی ادارے بھی قائم کئے۔ ۱۹۴۸ء میں انہوں نے بڑھنی بازار سدھارتھ نگر میں ایک ہائی اسکول کی بنیاد رکھی جو اب انٹر کالج بن چکا ہے۔ موضع مہدیا ضلع سدھارتھ نگر میں ''مسلم ہائر سیکنڈری اسکول'' قائم کیا وہ ایک تسلیم شدہ کامیاب ادارہ ہے۔

موضع اکراہرا (سدھارتھ نگر) میں ''مدرسہ اسلامیہ'' کی تاسیس کی جو کامیابی کے ساتھ چل رہا ہے جامعہ سراج العلوم جھنڈانگر کے پچیس سال تک صدر رہے۔

مفسر قرآن کی تبلیغی و دعوتی خوبیاں :

مولانا کی سب سے کامیاب کوشش ان کی دعوت وتبلیغ ہے ان کی دعوت وتبلیغ کی کئی خوبیاں تھیں۔

☆ انہوں نے جلسہ جاتی فاؤل تقریروں کے درمیان قرآنی آہنگ کو پروان چڑھایا اور ان کا یہ خاص رنگ اتنا کامیاب ہوا کہ چالیس سال تک اس آہنگ میں فتور نہیں آیا یکساں ڈمانڈ قائم رہا۔

☆ قرآن کے معانی کو عوام تک پہنچانے اور آسان بنادینے کا ایک نمایاں کام کیا۔

☆ قرآنی تعلیمات اور معانی ومفاہیم کو اپنے عام فہم اسلوب میں عوام کے لئے نہایت پرکشش بنا دیا بہت سے متقدس علمائے کرام ان کے طرز تقریر وطرز بیان کو علمی معیار پر ناپ کر سوالیہ نشانات

کھڑا کرتے تھے جب کہ مفسر قرآن اس کے برعکس معانی قرآن کو عام فہم اسلوب میں عوام کے لئے آسان انداز میں پیش کرتے تھے۔ اور ان کی کامیابی کا راز یہی تھا جس کو نافہم نہیں سمجھتے تھے۔

☆ ان کا قرآنی استحضار حیرت انگیز تھا۔ ان کا استحضار اتنا حیرت انگیز تھا کہ اچھے اچھے حفاظ کرام ان کی مانند موقع بہ موقع آیتیں سنا نہیں سکتے اپنی ایک تقریر میں کئی درجن آیتیں اور بسا اوقات سو سے زیادہ آیتیں حسب موضوع سنا دیتے تھے اور ان کی عام فہم تشریح کردیتے تھے۔

☆ ان کی تقریر کی جاذبیت کا سبب ان کا اخلاص تھا۔ کبھی انہوں نے اپنی دعوت و تبلیغ کو کمائی کا ذریعہ نہ بنایا نہ لوگوں کا دل لبھانے کے لئے غیر سنجیدہ و سطحی وسیلہ اپنایا، نہ آو بھاؤ دکھلایا نہ کبھی پیری مریدی کا سرمایا لگایا نہ گانا گایا۔ جس نے پکارا پہنچے پیدل بھی پہنچے، سواری سے پہنچے، نہ کوئی شرط، نہ اجرت طلب کی، نہ کسی شئے کی فرمائش۔ کتنے صبر و آزمائش کی بات تھی کہ ایک شخص چالیس سالوں تک شہرت اور طلب کی سواری پر سوار تھا اور طلب شہرت میں کمی نہیں آئی۔ پھر بھی اپنی ذات کو پورے عمل سے باہر رکھا، بے نفسی کا وہی عالم جو پہلے تھا وہی آخر میں تھا۔ لوگوں کے ہاتھ میں کیا ہے اس کی طرف نگاہ نہ ڈالی، اپنی دنیا کا بادشاہ "الغنی غنی النفس"۔ اگر کسی دوسرے کی اتنی مانگ ہوتی جو نفس ناطقہ کا شکار ہو تو پتہ نہیں کیا کیا فتنے جگاتا اور کتنا عوام کی جیب کی تراشی کرتا اور جنت کا ٹھیکیدار بنا رہتا۔

دعوت و تبلیغ میں اتنا انہماک کہ بسا اوقات ہر روز تقریر اور کئی تقریر ہندوستان کے وہ تمام خطے جہاں اردو بولی جاتی ہے مفسر قرآن کی تقریروں کی آواز وہاں ضرور گونجی۔ لوگوں نے انہیں سنا اور سر دھنا اور کمال یہ کہ ان سے جب بھی مانگ ہوئی تقریر کیلئے تیار اور جتنا وقت دیا گیا منظور، کوئی ردوقدح نہیں۔ دین کا تابع دار سپاہی آگے لگا دو خوش، پیچھے لگا دو تیار، بٹھا دو اعتراض نہیں حدیث میں اسے مرد مومن کی نشانی قرار دیا گیا۔

ان کی خطابت کی راہ اتنی مشکل تھی اور خود ان کی اپنی ایجاد کردہ کہ دوسرے اس پر چل نہ

سکے۔ دراصل اس کے لئے قرآن کریم میں انہماک اول و آخر شرط ہے اور بصیرت وشجاعت ضروری ہے۔ اگر یہ سب چیزیں نہ ہوں تو اس راہ پر نہیں چلا جا سکتا۔

مولانا نے جس دعوتی اور علمی ماحول میں اپنے دعوتی عمل کو جاری رکھا وہ اخلاقی فساد ،انتشار وافتراق ،خیانتوں اور بدعہدیوں کا ماحول تھا مادہ پرستی ، دولت کیلئے دین وایمان تیاگ دینے کا ماحول تھا اس پرخطر ماحول میں وہ اپنے بادشاہ آپ ، اپنے مشن سے کام، کسی خرخشے سے نہ اُلجھاؤ ، نہ زرومال منصب کرسی کیلئے جھگڑا ، نہ لوگوں کے جھمیلوں سے لینا دینا۔ بس قرآن کریم میں انہماک، آیات الٰہی کا ورد، اللہ پاک نے کلام پاک کے لگاؤ کے سبب انکو پاک نفسی عطا کی تھی آیات الٰہی نے ان کی روح وقلب کی تطہیر کردی تھی۔ اسلئے مادی زندگی کی بھرپور چمک دمک کے بیچ رہتے ہوئے بھی کبھی ان کی آنکھ چکاچوند نہیں ہوئی۔

۲۰ رجنوری ۱۹۲۰ء میں جس کی سانسوں کا قافلہ شروع ہوا ۲۸ رمئی ۲۰۰۸ء کو ۱۱ ربجے دن میں وہ قافلہ رک گیا۔ نماز جنازہ گاؤں میں پڑھی گئی اور گاؤں کے قبرستان میں تدفین ہوئی۔ مفسر قرآن نے اپنے پیچھے پانچ بیٹے اور دو بیٹیاں چھوڑے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں صبر جمیل عطا فرمائے اور ان کی اولاد واحفاد میں ان کا نعم البدل عطا فرمائے۔ آمین

اللہ کی رحمتیں صبح شام نازل ہوں مفسر قرآن پر اور ان کے درجات بلند ہوں اور ورثاء کو صبر کی توفیق ملے۔ آمین۔

☆ ☆ ☆

مفسر قرآن مولانا عبدالقیوم رحمانی رحمہ اللہ

ایک درویش صفت مجاہد آزادی

مولانا عبدالسمیع جعفری صادق پوری، پٹنہ

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے　　بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

مشرق کی وادیوں سے ہر روز سورج پورے آب وتاب کے ساتھ طلوع ہوتا ہے اور مغرب کی وادیوں میں جا چھپتا ہے۔اس طرح ہر دن سورج کے نکلنے اور ڈوبنے سے دن اور تاریخ بدلتی رہتی ہے۔لیکن ان بدلتے ایام اور تاریخ میں سے بعض دنوں کو تاریخی مقام ومرتبہ بھی ملتا ہے تاریخ کے بعض دن خوشیوں سے لبریز ہوتے ہیں تو بعض تاریخ اور دن اپنے ایک ایک لمحے میں غموں کو سمیٹے ہوئے زار و قطار روتے ہوئے نظر آتے ہیں۔انہی دنوں میں سے ایک ۲۸/ مئی ۲۰۰۸ء ۱۱/بجے کا دن ہے۔اسی تاریخ کو وطن عزیز کا ایک گدڑی پوش مجاہد آزادی اور مفسر قرآن حضرت مولانا عبدالقیوم صاحب رحمانی، بستوی رحمہ اللہ نے لکھنو کے ایک اسپتال میں داعی اجل کو لبیک کہا۔﴿انا للہ و انا الیہ راجعون﴾

آج اس مجاہد آزادی کی شخصیت کے بارے میں کچھ لکھتے ہوئے آنکھیں چھلک جارہی ہیں، اس درویش صفت خداترس کی زندگی کے اتنے سارے پہلو ذہن ودماغ کی اسکرین پر ابھر کر آرہے ہیں کہ سمجھ میں نہیں آتا کہ کن کن پہلوؤں پر خامہ فرسائی کی جائے، وہ بھی اس حال میں کہ انکے درد جدائی سے دل شق ہوا چاہتا ہے، ویسے تو ابھی بار بار مجھے صرف اور صرف مولانا رحمہ اللہ کی فقیرانہ زندگی اور ٹھاٹ باٹ اور کروفر سے پاک وصاف ازحد سادگی سے پُر وہ لمحات یاد آرہے ہیں جو ہمارے ذہن ودل میں رچے بسے ہیں، حالاں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک متمول گھرانے میں پیدا کیا تھا اور آپ کو ہر چیز سے نوازا تھا لیکن ان سب کے باوجود خوش پوشی وجامہ زیبی سے

کوسوں دور رہے، ناز ونعمت اور زیب وزینت کو کبھی اپنے پاس پھٹکنے نہیں دیا۔ دلکش اور اعلی ملبوسات زیب تن کرنا تو دور شاید ان کی طرف آپ کا خیال بھی نہیں جاتا تھا، حسن و جمال اور زلفوں کی تراش وخراش کے پیچھے پڑنا تو درکنار غالبًا کنگھیوں کی جگہ اپنے سر کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے تھے۔ ٹیپ ٹاپ اور بناوٹ وسجاوٹ اس قسم کے گمان کا ذہن میں لانا شاید مولانا محترم رحمہ اللہ کی روح کو اذیت پہنچانے کے مترادف ہوگا۔

عیش وتنعم سے گریزاں، زہد وفکر کا راہی اور مؤمنانہ صفات والا یہ عظیم مجاہد جنگ آزادی اور رب العالمین کے کلام پاک کا مشہور مفسر ۲۰ رجنوری ۱۹۱۸ء کو جناب زین الدین صاحب بستوی کے گھر میں پیدا ہوا۔ اس بے باک مجاہد آزادی نے ابتدائی تعلیم اپنی بستی کی مسجد میں ایک مولوی صاحب سے حاصل کی، پھر اس کے بعد دودھونیاں بستی سے متصل سیورا گاؤں کے سرکاری پرائمری اسکول میں داخل کردئے گئے جہاں سے باقاعدہ ابتدائی تعلیم مکمل کی۔ پھر یہاں سے آپ نے جامعہ سراج العلوم جھنڈانگر نیپال کی راہ لی اور وہاں جاکر عربی و فارسی کی ابتدائی کتابوں کی تعلیم حضرت مولانا زماں رحمانیؒ سے حاصل کی۔ جھنڈانگر سے فارسی اور عربی کی ابتدائی تعلیم مکمل کرنے کے بعد آپ نے جامعہ اسلامیہ فیض عام مئوناتھ بھنجن یوپی میں داخلہ لیا۔ جامعہ ھذا میں عربی کی ابتدائی جماعتوں کی تعلیم حاصل کی اور بالخصوص مولانا عبدالرحمن نحویؒ سے خوب خوب استفادہ کیا، پھر اعلیٰ تعلیم کے حصول کا شوق کشاں کشاں آپ کو دہلی لے گیا اور تقسیم وطن سے پہلے جماعت اہلحدیث کے شہرہ آفاق ادارہ دارالحدیث رحمانیہ میں داخل ہوئے اور شیخ الحدیث مولانا عبیداللہ رحمانی مبارکپوری، مولانا احمد اللہ پرتاب گڈھی، مولانا نذیر احمد املوی، مولانا عبدالغفور بسکوہری، مولانا سکندر علی ھزاروی رحمہم اللہ جیسے جلیل القدر اساتذہ سے فیض حاصل کیا اور یہیں ۱۹۴۰ء میں شیخ الحدیث مبارکپوری رحمہ اللہ کے ہاتھوں آپ کی دستار بندی ہوئی، آپ نے خود کو رحمانیہ کی تعلیم تک محدود نہیں رکھا بلکہ پنجاب بورڈ کے اعلیٰ امتحان مولوی، فاضل کی تیاری کی اور اس میں اچھی کامیابی

حاصل کی۔

جس زمانے میں آپ پنجاب بورڈ کے اعلیٰ امتحان سے گزر رہے تھے اس زمانے میں ہندوستان میں آزادی کی تحریک پورے شباب پر تھی، ملک کے سیاسی حالات آہیں اور سسکیاں بھر رہے تھے اور انگریزی حکومت ہندوستانیوں پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑ رہی تھی اور انہیں کالا پانی وغیرہ بھیج کر دردناک اذیتیں دے رہی تھیں۔ انگریزوں کی ان اذیت ناک حرکتوں کو دیکھنے کے بعد ان کے جسم میں ایک آگ سی لگ گئی اور انگریزوں کے خلاف مولانا محترم رحمہ اللہ کے دل میں ایک شدید نفرت پیدا ہوگئی۔ اس کے بعد آپ نے میدان سیاست میں قدم رکھا اور گاندھی جی اور مولانا ابوالکلام کے نعرہ ''کرو یا مرو'' کو اپنے لبوں پر سجاتے ہوئے جنگ آزادی کی تحریک میں باقاعدہ شامل ہو گئے۔ واضح رہے کہ آپ نہرو خاندان سے کافی قریب تھے، آپ نے تحریک آزادی میں اتنی سرگرمی دکھلائی کہ بہت جلد ظالم و جابر حکومت انگریز کی زد میں آ گئے اور آپ کی گرفتاری کا باقائدہ وارنٹ جاری ہوا جس وقت آپ کے نام گرفتاری کا وارنٹ جاری ہوا اس وقت آپ اپنے آبائی وطن دودھونیاں ضلع سدھارتھ نگر میں تھے۔ آپ کو آپکے آبائی گاؤں سے گرفتار کر کے بستی جیل میں رکھا گیا۔ پھر وہاں سے نینی جیل (الہ آباد) منتقل کر دیا گیا، اس طرح سے آپ مستقل تین سال تک قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرتے رہے، یہ بھی واضح کردوں کہ مولانا محترم رحمہ اللہ کو نینی جیل میں لال بہادر شاستری، فیروز گاندھی، مولانا حسین احمد مدنی ؒ، پنڈت جواہر لال نہرو، مظفر حسین مرحوم، ڈاکٹر کاٹجو، پرشوتم داس ٹنڈن، دشمبھر دیال اور کملا پتی ترپاٹھی جیسے وطن کے مشہور لیڈروں کے ساتھ رہنے کا موقع ملا۔

مولانا محترم رحمہ اللہ نے فراغت کے بعد میدان سیاست میں قدم رکھا اور خوب سرگرم رہے مگر جب تک آپ نے ضرورت محسوس کی اس وقت تک ملکی سیاست سے جڑے رہے پھر بعد میں آپ نے اپنی عملی زندگی کا رخ دعوت وتبلیغ کی جانب موڑ دیا اور تا دمِ حیات دعوت وتبلیغ جیسے

دعوتی فریضے کی ادائیگی میں لگے رہے۔ آپ نے ملک کے ہر خطے میں شمال سے جنوب تک اور مشرق سے مغرب تک دعوتی سفر کیے اور خالص قرآنی آیات کی روشنی میں دعوتی فریضہ انجام دیا بالخصوص بہار، بنگال، یوپی، اور ممبئی وغیرہ میں آپ کی آمدورفت زیادہ رہی ہے اور ان علاقوں میں آپ کی تبلیغ کا زبردست اثر آج بھی موجود ہے۔ ہندوستان سے متصل ملک نیپال میں بھی آپ نے دعوتی خدمات خوب انجام دیں اور وہاں کے لوگوں پر بھی آپ کا زبردست اثر رہا ہے۔ چونکہ آپ مجاہد جنگ آزادی تھے اس وجہ سے حکومت ہند کی جانب سے سفر وغیرہ کی آپ کو سہولیات حاصل تھیں ان سہولیات کا مولانا محترم نے خوب خوب فائدہ اٹھایا اور بلا کسی تکلف وطن کے گوشے گوشے میں پہنچ کر دعوتی فرائض انجام دئے۔ واضح رہے کہ حکومت کی جانب سے سفر وغیرہ کی جو سہولیات تھیں ان میں آپ کے ساتھ ایک خادم کا سفری خرچ بھی شامل تھا، راقم الحروف کو بھی ایک مرتبہ بحیثیت خادم آپ کے رفیق سفر ہونے کا شرف حاصل ہوا ہے۔

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ مولانا محترم رحمہ اللہ اپنے وطن مالوف بستی ضلع سے دہلی تشریف لے جا رہے تھے۔ دوران سفر ہی کسی نے آپ کی جیب کتر لی اس کا انہیں غالباً اس وقت احساس ہوا جب اسٹیشن سے باہر آئے اور رکشہ والے سے بات چل رہی تھی جب انہیں اس بات کا علم ہوا تو رکشہ پر بیٹھ کر سیدھا جواہر لال نہرو کی کوٹھی پر پہونچے، پہرے دار سے کہا ”وزیر اعظم سے جا کر کہو کہ عبدالقیوم بستوی آیا ہے“ چنانچہ سنتری نے اسی طرح موصوف علیہ الرحمہ کی باتوں کو نقل کر دیا پھر کیا تھا فوراً نہرو جی نے اپنے پاس بلوایا اور پوچھا کہ کیسے آنا ہوا؟ جواب میں انہوں نے بے ساختہ یہ بات کہی ”تمہارا ملک جیب کتروں اور پاکٹ ماروں کا ملک ہے راستے میں ہی میری جیب کتر لی گئی اس لئے مجھے صرف اتنے پیسے دیدو کہ میں واپس اپنے گھر پہنچ سکوں“ پھر کیا تھا اتنی رقم ملتے ہی وہاں سے واپس اپنے گھر کے لئے روانہ ہو گئے۔ یہاں اس بات کی وضاحت کرتا چلوں کہ گزشتہ صفحات میں اس بات کا ذکر ہو چکا ہے کہ آپ نہرو خاندان سے کافی قریب تھے۔

ہاں تو میں دعوتی خدمات کا ذکر کر رہا تھا، دعوتی میدان میں آپ نے تقریر کا سہارا لیا اور اپنی دل پذیر تقریروں کے ذریعے دعوت دین کا کام انجام دیتے رہے یوں تو آپ کے زمانے میں ایک سے ایک شیریں گفتار مقرر تھے جو اپنی جادو بیانی کے ذریعے مجلس پر چھا جاتے تھے۔ مگر آپ کی دل پذیر اور دل نشین تقریر سب سے مختلف اور جداگانا ہوتی تھی آپ کا خطاب تمام خطیبوں سے ہر لحاظ اور ہر زاویے سے ایک امتیازی حیثیت رکھتا تھا۔ آپ صرف قرآنی آیتوں کے حوالے سے ہی اپنی باتیں لوگوں میں رکھتے تھے قصہ گوئی یا تاریخی واقعات سے دور، صرف اور صرف قرآنی واقعات ہی پیش کیا کرتے تھے۔ ایک ہی موضوع پر دسیوں قرآنی آیات اپنے خاص اسلوب اور خاص لب و لہجہ میں اس انداز سے اور اس روانی کے ساتھ پڑھتے تھے کہ سماں بندھ جاتا تھا اور سننے والوں کے دلوں پر خاص اثر پیدا ہوتا تھا۔ ایسا کیوں نہ ہوتا، اپنی صلاحیت کا ملکہ جمانے کے لئے آپ کبھی ادق یا مشکل ترین الفاظ ہرگز استعمال نہیں کرتے تھے۔ بلکہ قرآنی آیات کا ترجمہ اس قدر صاف ستھرے اور سادے انداز میں کرتے تھے کہ سارا مفہوم واضح ہو جاتا تھا۔ میدان خطابت میں آپ کو ایک خصوصیت یہ بھی حاصل تھی کہ آپ بلا اختلاف مسلک گفتگو کرتے، یہی وجہ تھی کہ آپ کو ہر مسلک کے لوگ دل و جان سے چاہتے تھے اور اپنے جلسوں میں بلا تردد بلاتے تھے۔

مولانا محترم رحمہ اللہ کو مجاہدین صادق پور سے از حد والہانہ عقیدت تھی اور کیسے نہ ہوتی انگریزوں کے خلاف آپ کے تن بدن میں جو آگ لگی تھی اور آپ کے دل میں حکومت انگریز کے خلاف جو شدید نفرت پیدا ہوئی تھی وہ مجاہدین صادق پور کے مجاہدانہ کارنامے آپ کے ذہن میں مرتسم تھے جنھوں نے آپ کی رگوں میں دوڑنے والے لہو میں شدت پیدا کر دی تھی، ہمیں یہ بات اچھی طرح یاد ہے، جب بہار کے مختلف مقامات پر جلسوں میں ہمارا ان کا ساتھ رہا، اس وقت بھی اور جب آپ کی پٹنہ تشریف آوری ہوتی اس وقت بھی بار بار مجھ سے یہ بات کہی کہ ''مولوی عبدالسمیع آپ ذرا مرشد آباد وغیرہ علاقوں کا سفر کر کے دیکھیں جہاں آپ کے بزرگوں نے جو بیج

گیا تھا وہ کیسا اور کس حد تک تناور درخت کی شکل میں نظر آ رہا ہے"۔

آج ہمارے درمیان مولانا محترم رحمہ اللہ نہیں رہے لیکن ان کی تعلیمات ان کے اخلاق وعادات، پسندیدہ خوئی اور خوبصورت اطوار ہمارے ذہن و دل میں رقص کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کے چھوڑے ہوئے نقوش اور تعلیمات کو ہم سبھی کے لئے مشعل راہ بنائے اور اس گدڑی پوش اور درویشانہ صفت سے متصف مجاہد جنگ آزادی اور مفسر قرآن کو جنت الفردوس میں اعلیٰ سے اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور آپ کی جملہ خطاؤں کو معاف فرمائے اور آپ کے انتقال سے جو خلاء پیدا ہو گیا ہے اللہ تعالیٰ غیب سے اس کی بھرپائی فرمائے نیز پس ماندگان اور جماعت والوں کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین

☆☆☆☆☆

علم وفضل کا آفتاب غروب ہوگیا

مولانا شمیم احمد ندوی
ناظم جامعہ سراج العلوم جھنڈا نگر نیپال

۲۸ مئی ۲۰۰۸ء کو علم وفن، دعوت وارشاد، دینی بصیرت، مومنانہ فراست، مفسرانہ مہارت اور جہاد حریت کا وہ درخشاں آفتاب غروب ہوگیا جس نے نصف صدی سے زائد عرصہ تک نہ صرف خطہ کو بلکہ ہندو نیپال کے ایک بڑے رقبہ کو اپنی تقریر و وعظ سے منور کر رکھا تھا اور جس نے ہندو نیپال میں ''مفسر قرآن اور مجاہد آزادی'' کی منفرد خصوصیات سے آراستہ اپنی خاص پہچان بنائی تھی، اس طرح کی دو مختلف النوع خصوصیات شائد ہی کسی فرد واحد میں جمع ہوئی ہوں، چنانچہ ایک طرف وہ جہاں علمی حلقوں، مسند درس و تدریس سے آراستہ مجلسوں، وعظ وارشاد کی محفلوں، اور دعوت و تبلیغ کے جلسوں میں ایک ایسے ماہر فن مفسر قرآن کی حیثیت سے معروف تھے جن کی علمی موشگافیوں اور فنی مہارتوں کے نہ صرف اہل علم معترف و مداح تھے بلکہ جب وہ قرآن کریم کی بلاغت و اعجاز کے بارے میں علم کے دریا بہانے پر آتے اور آیات قرآنیہ میں موجود رشد و ہدایت کے سامان اور تفسیری نکات کو بیان کرتے تو اہل علم کے ساتھ ہی عوام کا سیل رواں بھی عش عش کر اٹھتا، دوسری طرف سیاسی لحاظ سے انہوں نے ایک ایسے محبّ وطن اور مجاہد جنگ آزادی ہند کی پہچان بنائی تھی جس نے ملک پر انگریزوں کے ناجائز تسلط کے خلاف آواز اٹھائی اور نتیجہ میں جیل کی ہوا کھائی، لیکن یہاں بھی ان کی انفرادیت برقرار رہی کہ انہوں نے آزادئ وطن کے بعد اپنی قربانیوں کا کوئی صلہ لینا قبول نہیں کیا۔ یہ عہد ساز شخصیت مفسر قرآن، مجاہد آزادی ہند مولانا عبدالقیوم رحمانی کی تھی۔

آپ رحمہ اللہ علاقہ کی دینی زندگی کی روح تھے، ان کی زندگی سادگی و قناعت صبر و رضا، زہد و ورع اور توکل کا نمونہ تھی، ان کے بوسیدہ کپڑوں کے پیچھے اور نحیف و نزار جسم کے اندر علم کے وہ خزانے پوشیدہ تھے جن سے بسا اوقات اعلیٰ سند یافتہ اور جبہ و دستار سے مرصع بعض علماء بھی

محروم ہوتے ہیں، لوگ ان کی ظاہری ہیئت اور معمولی کپڑوں سے دھوکا کھا جاتے ہیں اور ان کی شخصیت کی اصل خوبیوں کا اندازہ اس وقت ہوتا تھا جب وہ علم کے موتی لٹانے پر آتے تھے، یعنی ؎

ترى الرجل النحيف فتزدريه

وفى اثوابه اسد زئير

چنانچہ قرآن کریم کی تفسیری نکات کو جب بیان کرنے پر آتے تو ان کے بیان میں اس قدر جدت و ندرت ہوتی، اور انداز بیان میں اس قدر حلاوت ہوتی، اور آیات احکام اور قصص وامثال کو اتنے دلنشین پیرایہ میں بیان کرتے کہ دل پر ان کی باتیں نقش ہوتی چلی جاتیں اور سامعین لعل و گوہر کے ان موتیوں کو اپنے دامن میں بھر لینا اپنی خوش نصیبی سمجھتے، ساتھ ہی قرآنی آیات کو پڑھنے کا ان کا انداز اس قدر سحر انگیز ہوتا کہ حاضرین و سامعین پر وجد طاری ہو جاتا، حافظ قرآن نہ ہوتے ہوئے بھی کسی بھی موضوع پر خطاب فرماتے تو اپنی بات اور اپنے خطاب میں آیات قرآنیہ اس طرح نگینہ کی طرح جڑتے چلے جاتے کہ بسا اوقات سامعین یہ محسوس کرتے کہ یہ آیتیں خاص اسی موقع کے لئے نازل ہوئی ہیں، جیسے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جب رسول اللہ ﷺ کی وفات کے ناقابل برداشت صدمہ سے دوچار ہوئے تو شدت غم والم سے ہوش و حواس سے بیگانہ ہو گئے اور ننگی تلوار نکال لی کہ جو یہ کہے گا کہ رسول اکرم ﷺ ہمیں داغ مفارغت دے گئے ہیں اس کا سر قلم کردوں گا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے غایت درجہ سوجھ بوجھ کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس موقع پر قرآنی آیت ﴿**وما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل افان مات او قتل انقلبتم علىٰ اعقابكم**﴾ کی تلاوت فرمائی تو صحابہ کرام کو ایسا لگا کہ آیت ابھی نازل ہوئی ہے۔

ان کی سادگی و قناعت کو بھی موضوع سخن بنایا جاسکتا ہے، اس صفت میں ان کا کوئی ثانی نہیں تھا، کبر و غرور کو بھی کبھی پاس پھٹکنے نہ دیا، گرچہ ان کے علم و فن اور تفسیر میں ان کی انفرادیت کے قائلین و معترفین کا ایک بڑا حلقہ تھا، جس میں ملک و بیرون ملک کے بڑے علماء اور ممتاز دانشور بھی

شامل تھے، لیکن ان کو کبھی اپنی ہمہ دانی کا غرور نہ ہوا۔

فن حدیث و اسماء الرجال اور تاریخ اسلامی کی گہری معلومات تھی، لیکن فن تفسیر میں ان کے تفوق اور ان کی انفرادیت نے باقی علوم اسلامیہ میں ان کی مہارت پر پردہ ڈال رکھا تھا، لیکن یہ پردہ اس وقت اٹھتا تھا، جب کسی خاص فن سے متعلق یا علم حدیث کے متعلق ان سے تبادلہ خیال یا استفادہ کا موقع ملتا تھا، ناچیز کو بھی کسی قدر ان سے استفادہ کا موقع ملا ہے یا ان کے فنی افادات کا مشاہدہ کیا ہے جس سے ان کے علم کی گہرائی کا اندازہ ہوتا ہے، لگتا ہے کہ مختلف علوم کے وہ بحر نا پیدا کنار ہیں جس کی گہرائی و وسعت کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا ہے۔ لیکن ایک چھوٹے سے گاؤں کی رہائش پر مطمئن اور معمولی ضروریات زندگی پر قانع تھے، نہ آرام و آسائش کی تمنا، نہ صلہ و ستائش کی پرواہ اور نہ جلسوں اور تنظیموں کی صدارت کی خواہش، باوجود اس کے لوگ جلسوں کی صدارت کے لئے ان کو باصرار مدعو کرتے۔

عمر کے آخری مرحلہ میں کچھ ایسا ہو گیا تھا کہ اکثر کسی ایک موضوع کے پابند ہو کر تقریر نہیں کرتے تھے بلکہ مختلف موضوعات پر افادات اور علم کے دریا بہاتے چلے جاتے اور سامعین ذوق وشوق سے ان کی باتیں سنتے چلے جاتے، انداز بیان انتہائی بے تکلفی لئے ہوئے ہوتا، اس لئے سامعین کی دلچسپی آخر وقت تک برقرار رہتی، میں یہ سمجھتا ہوں کہ بار بار جو موضوعات تبدیل کرتے رہتے تھے ان کے پیچھے بھی ان کے علم کی ہمہ گیری اور مطالعہ کی وسعت اور معلومات کا تنوع کارفرما تھا، چنانچہ ان کے حافظہ میں مختلف چیزیں اس طرح گڈمڈ ہو گئی تھیں کہ روئے سخن جدھر بھی مڑ جاتا اسی موضوع پر علم کے دریا بہاتے چلے جاتے، کبھی کسی موضوع پر تیاری کے ساتھ تقریر نہ کرتے بلکہ برجستہ اور موقع محل کی مناسبت، سامعین کی ذہنی سطح کا لحاظ کر کے اور ان کی ضروریات اور دعوتی پہلوؤں کو ذہن میں رکھ کر تقریر کرتے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ بحسن وخوبی ادا کرتے اور اس کے لئے ﴿لا یخافون لومة لائم﴾ پر عمل پیرا ہوتے لیکن ﴿ادع الی سبیل

ربک بالحکمة و الموعظة الحسنة﴾ پر عمل کرتے ہوئے انداز وہی اختیار کرتے جو سامعین کے لئے مفید اوران کی ذہنی سطح کے لئے قابل قبول ہوتا، اپنی علمیت و ہمہ دانی کا سکہ جمانے کے لئے کبھی بھی زبان نہ کھولتے یعنی اپنی فصاحت و بلاغت کا جوہر نمایاں نہ کرتے یہ ایک خاص وصف تھا، جو آج کل کے علماء اور دعاۃ میں مفقود نہیں تو کمیاب ضرور ہے، بسا اوقات اسٹیج پر یا سامعین کے مجمع میں سے اپنے شنا سا لوگوں میں سے کسی کو نام لے کر بھی مخاطب کرتے کسی خاص مقام پر اگر کوئی برائی عام ہوتی تو بطور خاص اس برائی کو مٹانے اور عملی کوتاہیوں کی طرف توجہ دلاتے اور اس برائی کی شناعت قرآن وحدیث سے ثابت کرتے، رد شرک و بدعات اور مروجہ رسوم ورواج کے استیصال میں دودھاری تلوار تھے اس میں کسی طرح کی مداہنت یا رعایت کے قائل نہ تھے ایک خاص وصف جو میں نے محسوس کیا ہے کہ باوجود اس کے کہ علمائے دین کے بڑے قدردان تھے، لیکن کسی کے علم یا انداز خطابت سے کبھی مرعوب نہ ہوتے بلکہ اگر تقریر میں کوئی کمی بیشی یا خلاف واقعہ کوئی بات پاتے تو اسی مجلس میں ٹوک دیتے اسی طرح دنیاوی مال ومنال، کسی کے جاہ وجلال اور عہدہ ومنصب سے بھی ذرہ برابر مرعوب ومتاثر نہ ہوتے اور کلمۃ حق عند سلطان جائر پر عمل پیرا تھے، حق گوئی و بیباکی ان کی مثال دور دور تک نہیں ملتی ہے۔

ہمارے اس علاقہ یعنی ضلع سدھارتھ نگر، بستی، گونڈا، بلرام پور اور نیپال کے متصل ترائی اضلاع کی دینی زندگی کے روح رواں تھے، ان کی بات مستند، ان کی رائے معتبر اور ان کا قول فیصل سمجھا جاتا، لیکن بعض معاملات میں عام فقہاء یا مفتیان کی رائے سے الگ منفرد رائے رکھتے جسے ان کے شذوذ میں شمار کیا جانا چاہئے، عام حالات میں انتہائی تتبع سنت اور زہد وورع کا پیکر تھے، ان کے قدردانوں کا حلقہ بہت وسیع ہے، ملک ہندوستان و نیپال کے علاوہ کویت، قطر، امارات اور سعودی عربیہ میں بھی ان کے شاگردوں اور ان کے عقیدت مندوں کی بڑی تعداد تھی، ہمارے ملک نیپال میں دعوتی دوروں پر تشریف لانے والے بعض سعودی علماء کو میں خود ان سے ملاقات کے لئے

...اق اور سند اجازہ حاصل کرنے کا حریص پایا ہے، لیکن میں نے اپنی نجی ملاقاتوں میں ان کو اس بات کو اپنے لئے باعث اعزاز سمجھنے یا اپنے لئے قابل فخر گردانے کا کوئی شائبہ بھی نہیں محسوس کیا ہے۔

اسی طرح سیاسی حلقوں میں ان کی شناخت ایک قابل فخر مجاہد آزادی اور ایک قابل اعتماد محبّ وطن کی تھی، لیکن کسی سرکاری اعزاز کی کبھی پرواہ نہ کی اور نہ اسے اپنے لئے باعث عزت و افتخار سمجھا، اس کے برعکس سرکاری مراعات اور اعزازات سے کوئی فائدہ نہ اٹھایا جو ان کا حق تھا، چنانچہ آخری بیماری میں مئو آئمہ الہ آباد سے بذریعہ بس بڑھنی تک کا انتہائی تکلیف دہ سفر سخت گرمی کے موسم میں کیا اور وہ بھی بیماری و پیرانہ سالی کی حالت میں تن تنہا، جب کہ پورے ملک میں کہیں بھی سفر کرنے کے لئے ائیر کنڈیشنڈ کوچ کا ان کے پاس ریلوے پاس تھا اور جس سے سفر کرنا ان کا قانونی حق تھا، اس تکلیف دہ سفر سے ان کی بیماری تشویشناک صورت اختیار کر گئی۔

ان کی عوامی مقبولیت یا ہر حلقہ میں اور طبقۂ علماء میں بطور خاص ان کے ساتھ عقیدت و محبت کا ہی نتیجہ ہے جو ان کے جنازہ میں اتنی بڑی تعداد چشم پرنم کے ساتھ شریک ہوئی، جن میں اکثریت علماء و دعاۃ اور طلبائے مدارس دینیہ کی تھی، جب کہ دوسری طرف ضلعی انتظامیہ، حکومت کے نمائندگان، سیاسی کارکن اور اخباری رپورٹرس کی بھی قابل ذکر تعداد تھی۔

پورے ملک میں دینی حلقوں، جماعتی اداروں اور سیاسی حلقوں میں بھی ان کی وفات پر لوگوں نے اپنے گہرے رنج وغم کا اظہار کیا، قرب وجوار کے علاوہ دور دراز کے علاقوں میں سے اٹوا، ڈمریا گنج، گونڈہ و بلرامپور، سدھارتھ نگر و گورکھپور، بونڈیہار، بستی، مہراج گنج اضلاع کے علاوہ دور دراز کے اضلاع میں سے مئو، بنارس و دہلی تک کے محبین و معتقدین اور مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے ذمہ داران و نمائندگان، شریک جنازہ ہوئے، مولانا عبدالحمید رحمانی اپنی بیماری اور پیرانہ سالی کے باوجود دہلی سے بذریعہ طیارہ سفر کرتے ہوئے شب ہی میں دودھونیاں پہنچ گئے جب کی مرکزی جمعیت کے ناظم اعلیٰ مولانا اصغر علی امام مہدی بھاگم بھاگ دہلی سے تشریف لا کر تدفین

میں شریک ہوئے، بہار اور جھارکھنڈ جہاں مولانا اکثر جایا کرتے تھے اور اس پورے خطے میں ان کے دعوت وتبلیغ کے نمایاں اثرات تھے، وہاں کے معتقدین دوری کے سبب جنازہ میں شرکت کی سعادت سے محروم رہ گئے تھے، لیکن بعد میں کئی روز تک ان کی آمد کا سلسلہ جاری رہا، وہ باچشم نم مولانا کی تربت پر حاضر ہوتے اور دعاء مغفرت کرتے۔

جب کہ کویت وسعودی عربیہ سے لوگوں نے مرحوم کے ورثاء کے ساتھ ٹیلیفون پر تعزیت کی، چونکہ مرحوم کا ہمارے جامعہ کے ساتھ دیرینہ تعلق تھا اور وہ ہمارے ادارہ کی تعمیر وترقی میں کافی دلچسپی رکھتے تھے اس لئے ان کی وفات ہمارا ذاتی صدمہ ہے، یہی وجہ ہے کہ بعض لوگوں نے خود ہم کو بھی تعزیت کا مستحق سمجھا اور مرحوم کی آخری علالت ووفات اور ان کے سفر آخرت کی ہم سے تفصیلات معلوم کیں اور اس پر اپنے گہرے رنج وغم کا اظہار کیا، ایسے لوگوں میں بطور خاص جمعیت احیاء التراث الاسلامی کویت کی ذیلی شاخ لجنة القارة الهندية کے ذمہ داران وعقیدتمندان ہیں جو کہ مرحوم کے کافی قدردان ہیں، ان لوگوں میں بھی مولانا عارف جاوید محمدی بطور خاص قابل ذکر ہیں، جو مولانا عبدالقیوم رحمانی رحمہ اللہ کے ساتھ کافی عقیدت کے جذبات رکھتے ہیں اور جماعت کے اکابرین اور اس کے اہل علم کو ہمیشہ قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

میں نے بھی یہ چند سطور مولانا رحمہ اللہ کی خدمات کو خراج تحسین پیش کرنے کے جذبہ سے ضبط تحریر میں لانا ضروری خیال کیا، ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ مرحوم ہر قسم کے تعارف سے بے نیاز تھے اور ان کا ایک وسیع حلقہ تھا، جہاں لوگ ان کو عقیدتوں کا مرکز سمجھتے تھے اور ان کے ساتھ الفت و محبت اور قدردانی کا معاملہ رکھتے تھے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مرحوم کی خطاؤں ولغزشوں کو درگزر فرمائے، ان کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے اور ان کے پس ماندگان اور ورثاء کو صبر جمیل عطا فرمانے کے ساتھ ان کو توفیق بخشے کہ وہ ان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ان کے علمی ودعوتی وراثت کی حفاظت کرسکیں۔ (آمین)

مفسر قرآن مولانا عبد القیوم رحمانی رحمہ اللہ

حیات و خدمات

مولانا وصی اللہ عبد الحکیم مدنی ۔ استاد: کلیہ عائشہ صدیقہ، کرشنا نگر، نیپال

ایک شخص نے محدث نبیل عبد اللہ بن مبارک رحمہ اللہ سے پوچھا کہ کیا علماء کی کوئی پہچان اور نشانی ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ ہاں، نشانی یہ ہے کہ عالم اپنے علم پر عمل کرے، اپنے علم و عمل کو تھوڑا سمجھے، دوسروں کے علم میں رغبت کرے، حق جس طرف سے بھی اس کے پاس آتا ہو اسے قبول کرے، اور جہاں بھی اسے علم ملے اسے حاصل کرے، اسی طرح حضرت فضیل بن عیاض رضی اللہ عنہ نے فقیہ کے بارے میں فرمایا: ''انما الفقيه الذى انطقته الخشية و اسكتته الخشية، ان قال قال بكتاب الله و السنة و ان سكت سكت بالكتاب و السنة و ان اشتبه عليه وقف عنده ورد الى عالمه'' یقیناً فقیہ وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ کا خوف گویا کرے اور اللہ تعالیٰ کا خوف خاموش کردے، اگر وہ بات کرتا ہے تو قرآن و سنت کی بات کرتا ہے اور اگر وہ خاموش ہوتا ہے تو قرآن و سنت کے حکم سے خاموش ہوتا ہے اگر اس پر کوئی مسئلہ مشتبہ ہو جاتا ہے تو بحث و تمحیص سے رک جاتا ہے اور اسے اس مسئلہ کے جاننے والے کے پاس بھیج دیتا ہے۔

مذکورہ بالا اوصاف سے اللہ تعالیٰ نے عالم جلیل و مفسر قرآن مولانا عبد القیوم رحمانی رحمہ اللہ کو بھی نوازا تھا آپ گوناگوں قابل رشک صفات کے حامل تھے، آپ بیک وقت بلند پایہ و باکمال خطیب، مفکر و مدبر، مجاہد آزادی، نڈر، ایماندار اور بابصیرت سیاسی لیڈر تھے۔

آئندہ سطور میں مفسر قرآن رحمہ اللہ کی حیات و خدمات اور ان کے زرین کارناموں کی بابت جو کچھ میں نے لکھنے کی کوشش کی ہے وہ درحقیقت میرے احساسات، مشاہدات، تاثرات، آنکھوں دیکھا حال، اصحاب علم و فضل کے آراء و افکار، قدیم مصاحبین، رفقاء و احباب کے خیالات،

عزیزوں اور فرزندوں نے حکایات وبیانات کا مجموعہ ہے۔

نام ونسب: مفسر قرآن مولانا عبدالقیوم رحمانی بستوی کانسب نامہ یوں ہے عبدالقیوم بن زین اللہ بن سلیمان بن امانت بن خدا بخش۔

ولادت اور نشو ونما: پاسپورٹ میں درج تاریخ ولادت کے مطابق آپ ۱۴/۱۰ اکتوبر ۱۹۱۸ء کو موضع دودھونیا بزرگ ضلع سدھارتھ نگر (سابق ضلع بستی) میں پیدا ہوئے، مشفق والدین نے آپ کی پرورش وپرداخت کی، عمدہ تعلیم وتربیت کا بندوبست کیا اور انہیں کے زیر نگرانی آپ پروان چڑھے۔شروع میں آپ کے نام کے ساتھ بستوی لکھا جاتا تھا جو ضلع بستی کی طرف نسبت ہے، اور دارالحدیث رحمانیہ دہلی کی جانب نسبت کرکے آپ کو رحمانی بھی لکھا جاتا ہے۔

خطاب: قرآن کریم کی آیتوں کی تفسیر کرنے میں آپ کو کافی درک حاصل تھا دوران خطاب وگفتگو ایک آیت کی تفسیر دوسری آیتوں سے کرتے تھے بعض مفسرین پر عالمانہ نقد کرتے تھے اوران کے علمی اخطاء وزلل کی تعین بھی کرتے تھے جس کی وجہ سے آپ کو مفسر قرآن کا لقب وخطاب دیا گیا جس کے آپ بجاطور پر مستحق تھے۔

تحصیل علم وتکمیل: آپ کے آبائی وطن موضع دودھونیا بزرگ میں تعلیم وتعلم کا کوئی معقول بندوبست نہیں تھا، اسلئے اپنے گاؤں سے متصل موضع سیورا کے سرکاری پرائمری اسکول میں داخل ہوکر ابتدائی تعلیم مکمل کی، فارسی اور عربی کی ابتدائی کتابیں مادر علمی جامعہ سرج العلوم جھنڈانگر میں پڑھیں، پھر جامعہ اسلامیہ فیض عام مئو میں داخلہ لیا، پھر اعلی تعلیم کے حصول کی خاطر دار الحدیث رحمانیہ دہلی تشریف لے گئے اور ۱۹۴۱ء میں یہیں سے شیخ الحدیث علامہ عبیداللہ مبارکپوری رحمہ اللہ کے ہاتھوں دستار بندی کی سعادت حاصل ہوئی۔

اساتذہ وشیوخ: آپ نے جن علمائے کرام سے کسب فیض کیا، یہ سارے اساتذہ

اپنے وقت کے بہترین وممتاز علماء واساطین علم وفن تھے، جنہیں مختلف علوم وفنون میں یدطولیٰ حاصل تھا، اس کے علاوہ وہ اخلاق عالیہ اوراوصاف حمیدہ سے متصف تھے، ان میں سے بعض اساتذہ کے اسمائے گرامی لکھے جارہے ہیں، جن کی علمی قابلیت وصلاحیت کے آپ معترف تھے اوران کے عمدہ سیرت وکردار سے حددرجہ متاثر تھے۔

(۱) مولانا محمد زماں رحمانی (۲) مولانا عبد الرحمٰن نحوی (۳) شیخ الحدیث علامہ عبید اللہ مبارک پوری (۴) شیخ الحدیث علامہ احمد اللہ پرتاب گڈھی، قریشی ، دہلوی (۵) مولانا نذیر احمد املوی (۶) مولانا عبدالغفور بسکوہری (۷) مولانا سکندرعلی ہزاروی (۸) مولانا سعید احمد اکبر آبادی (۹) مولانا عاشق الٰہی ، میرٹھی (۱۰) مولانا ابوسعید شرف الدین دہلوی (۱۱) مولانا محمد عبد الرحمٰن یعقوب۔

تلامذہ : تعلیمی مراحل کی تکمیل اورسند فراغت کی تحصیل کے بعد آپ نے مستقل طور پرکسی دینی ادارے سے منسلک ہوکر تدریسی فریضہ انجام نہیں دیا ہے، صرف موضع اکرہرا، سدھارتھ نگرمیں واقع درسگاہ اسلامیہ میں اعزازی طور پر کچھ دنوں تک فریضۂ تدریس انجام دیا ہے، ویسے چلتے پھرتے وعظ وارشاد کی مجلسوں میں بیشمار افراد ملت کوآپ نے اپنے علم سے سیراب کیا ہے اورعرب وعجم میں بہت سارے جیدعلماء نے آپ سے استفادہ کیا ہے اورسند اجازہ حاصل کیا ہے، ان میں سے بعض ارشد تلامذہ اورمستفیدین کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں:

(۱) ڈاکٹر عبد العلیم عبد العظیم بستوی مدنی (۲) شیخ صلاح الدین مقبول احمد مدنی (۳) شیخ محمد بن زیاد بن عمر التکلہ ، شام (۴) شیخ علی عبدالرحمٰن حذیفی، امام وخطیب مسجد نبوی، مدینہ طیبہ (۵) شیخ خالد مطیری، کویت (۶) شیخ عارف جاوید محمدی، پاکستان (۷) شیخ حافظ محمد اسحاق زاہد مدنی، پاکستان (۸) ڈاکٹر عاصم قریوتی، سعودیہ عرب (۹) شیخ بدر بن علی بن طامی العتیبی، سعودی عرب (۱۰) ڈاکٹر ولید بن محمد بن عبد اللہ العلی، کویت (۱۱) شیخ صفوان عدنان

داؤدی، شام (۱۴) شیخ نظام یعقوبی، بحرین۔

زہد وورع : آپ اوامر الٰہی کو بجالانے اور منہیات شرعیہ سے رک جانے والے تھے، عبادت گذار اور زہد وورع کے پیکر تھے، صلوات کی ادائیگی کا خاص اہتمام کرتے تھے، خشیت الٰہی رگ رگ میں پیوست تھی، الحب للہ والبغض للہ کی عملی تصویر پیش کرتے تھے باوثوق ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ بے نمازیوں سے دلی نفرت کرتے تھے، اپنے ان عزیزوں، قرابت داروں کے یہاں کھانے پینے سے حتی الامکان گریز کرتے تھے جو نمازوں کا اہتمام نہیں کرتے تھے، آپ کی علمی شہرت اور حسن قبولیت کا سب سے بڑا سبب خلوص وللّٰہیت اور زہد وورع تھا۔

اوصاف وخصائل : آپ قرآن کریم سے قلبی اور والہانہ شغف رکھتے تھے، اس کی نکتہ آفرینیوں کی تلاش وجستجو میں شب وروز سرگرداں ومتفکر رہتے تھے، قرآن کریم کی آیتوں اور حدیثوں کا استحضار بھی کسی نہیں وہبی معلوم ہوتا تھا، آپ اعلیٰ اخلاق وکردار کے حامل اور متواضع و ملنسار تھے، صابروشاکر، حلیم وبردبار، اللہ پر بھروسہ کرنے والے اور قناعت پسند تھے، خوددار وغیرت منداور انصاف پرور تھے، تصنع وتکلف سے آپ کی ذات بالاتر تھی، کسی کی عیب جوئی اور چغل خوری نہیں کرتے تھے، کم سخن تھے، لیکن جب بولتے تو اچھی ہی بات کہتے ورنہ خاموش رہتے، گویا آپ کی زندگی حدیث رسول ﷺ: "**فلیقل خیراً او لیسکت**" کی آئینہ دار تھی، آپ کی ذات عالیہ علمی غرور سے مبرا تھی، کسی پر اپنا علمی دھونس نہیں جماتے تھے، البتہ ان کی ہیبت وجلال سامعین و حاضرین پر از خود طاری ہوجاتی تھی، کسی کی تملق وچاپلوسی نہیں کرتے تھے، اور نہ ہی ارباب کانفرنس واجلاس عام کی غلو آمیز مدح سرائی کو کانفرنسوں وسمیناروں میں شرکت کرنے یا کرسی صدارت پر براجمان ہونے کے لئے وسیلہ بناتے تھے، متمول گھرانے کے روشن چشم وچراغ، دنیاوی جاہ و جلال، مال ومنال، عیش وعشرت کے ظاہری اسباب ووسائل متوفر ہونے، سرکاری وظائف کی حصولیابی اور دیگر سہولیات زندگی میسر ہونے کے باوجود آپ کے رہن سہن، مزاج وطبیعت میں اس

قدر سادگی تھی جس کی نظیر نایاب ہے، دنیاوی کرّ وفر اور ٹھاٹ باٹ سے بیزار تھے، جو بھی اور جیسا بھی کپڑا ملا زیب تن کرلیا، منتظمین اجلاس سے کبھی بھی فرمائشی کھانا طلب نہیں کیا، بلکہ جو ملا تناول فرمالیا، جہاں جگہ ملی سو گئے، ۲۸ویں آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس بمقام پاکوڑ، جھارکھنڈ، کے موقعہ پر آپ کی طبیعت ناساز تھی تاہم تشریف لے گئے، اور خرابی طبیعت کے باوجود عام آدمی کی طرح ایک جگہ آرام فرما رہے تھے، جبکہ کتنے ایسے لوگ تھے جو نفیس ہوٹلوں میں عیش کر رہے تھے دینی اجتماعات میں شرکت کی جس نے بھی گذارش کی غیر مشروط طریقے پر آپ جلسہ گاہ میں پہنچ گئے، نہ ہی کبھی بند گاڑی طلب کی اور نہ ہی پیشگی کرایہ و، اے.سی ٹکٹ اور نہ ہی اپنی موثر و دلپذیر تقریر کو عمدہ ڈش اور دنیاوی سکوں کے بدلے فروخت کیا، اگر کسی نے آمد و رفت کا کرایہ سمجھ کر کچھ دے دیا تو خاموشی کے ساتھ لے لیا، کمی و زیادتی پر بھی شکوہ و گلہ نہیں کیا، بعض پیشہ ور خطباء کی طرح تقریر ختم ہونے کے معاً بعد طے شدہ تندرست لفافہ کا انتظار نہیں کیا، اور نہ ہی اس کے احتجاج میں دھرنا دیا، اور نہ ہی غیر مناسب کلمات زبان پر لائے، بلکہ ایک علمی، دینی فریضہ سمجھ کر جلسوں میں شرکت کی، رات کے کسی بھی حصہ میں باری آئی تقریر کی، صبح ہوئی اپنے گھر چلے آئے، ریاء و نمود اور شہرت طلبی سے آپ بہت دور تھے، گمنامی اور سادگی والی زندگی کو پروپگنڈہ والی ہنگامہ خیز زندگی پر ترجیح دیا، ہر کار خیر پر اپنے بہی خواہوں اور دوستوں کو ابھارتے رہے اور خود بھی اس میدان میں سبقت اور شرکت کا جذبہ صادق رکھتے تھے، نیز ایمانداری و خیر خواہی کے ساتھ ثالثی کا فریضہ بھی انجام دیتے تھے، غرضیکہ یہ منفرد و مثالی شخصیت بہت ساری خوبیوں کی جامع تھی بقول شاعر

خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں

<u>ذوق مطالعہ:</u> زمانہ طالب علمی میں کتابوں سے رشتہ کیسا اور کس قدر تھا یہ مجھے معلوم نہیں ہے البتہ ماہنامہ محدث دہلی ماہ نومبر <u>۱۹۳۸ء</u> کی ایک رپورٹ سے بلا تردد یہ بات حوالۂ قرطاس کی جاسکتی ہے کہ آپ ذکی، ذہین و فطین، تیز فہم، بیدار مغز اور مثالی طالب علم تھے اور مطالعہ ء

کتب کے شوقین تھے،اواخر عمر میں بڑھنی بس اسٹاپ چوراہے پر ایک آدھ بار جو میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور سمجھا وہ کچھ اس طرح ہیکہ سلف صالحین کی طرح عمدہ کتابوں کے مطالعے کا اچھا ذوق رکھتے تھے،قدیم وجدید،عربی،اردو رسائل وجرائد کو تنقیدی نگاہ سے پڑھتے تھے،قابل یاد داشت باتوں کو اپنے سینہ میں محفوظ کر لیتے تھے اور دوران خطابت بطور استشہاد اور امثال علماء افاضل کو سناتے تھے،باذوق علماء وخطباء کو مخاطب کر کے فرماتے تھے کہ اس آیت کی تفسیر امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس طرح سے کی ہے،اور امام راغب اصفہانی نے اپنی کتاب ''مفردات القرآن'' میں اس لفظ کا یہ معنی لکھا ہے،اس لئے ان کتابوں کا مطالعہ کرو،نیز معتبر کتابوں کے ذریعہ اپنی علمی تشنگی بجھاؤ،حساس موضوعات پر لکھے گئے معیاری مقالات ومضامین کی تحسین فرماتے تھے جیسا کہ شیخ محترم عبدالمعید مدنی صاحب حفظہ اللہ کے ایک عربی مضمون ''السیاسة العرجاء'' پر اپنی بے پایاں مسرت وشادمانی کا اظہار کیا،خوب سراہا،بلاکر مبارکباد دیتے ہوئے سوروپیہ نقدانعام بھی دیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دور حاضر کے علماء وطلبہ کی طرح کتابوں کے مطالعہ سے غافل نہ تھے،بلکہ زیادتی علم کی خاطر کتب بینی کے دلدادہ وشیدا تھے اور دینی کام کرنے والے ارباب قلم وصاحب علم وفضل کی خوب ہمت افزائی کرتے تھے۔

حق گوئی : سچائی اور حق گوئی آپ کا طرۂ امتیاز تھا،نہایت ہی جرأت کے ساتھ حق گوئی کا حق ادا کرتے تھے،کسی بھی ملامت گر کی ملامت سے آپ نہیں ڈرتے تھے،حق کے سامنے کسی کو خاطر میں نہیں لاتے تھے،جسے آپ حق سمجھتے تھے اسے کہنے میں دریغ نہیں کرتے تھے،کون ہے؟اور کس منصب پر ہے؟اس کے پیچھے کبھی نہیں پڑتے تھے،اگر کبھی علماء وطلباء میں کوئی کمی نظر آئی تو اصلاح ونظر ثانی کی اور بھری بزم اور اسٹیج ہی پر صحیح بات کی رہنمائی کردی،اور اگر کسی کو دلیل کی ضرورت پڑی تو فوراً اسی مجلس میں قرآن کریم اور حدیث سے دلیل بھی فراہم کردی،چوٹی کے شعراء،ادباء اور بعض غیر سنجیدہ تحریروں پر نقد کرنے میں تاخیر نہیں کرتے تھے،بلکہ برملا اور علی رؤس

الاشہاد اس کی فکری ونظری غلطیوں اور علمی کوتاہیوں کی نشان دہی کرتے تھے، یہ معروف شعر جب آپ نے ایک عالم کی زبان سے سنا۔

زندگی کیا ہے عناصر کا ظہور ترتیب
موت کیا ہے انہیں اجزاء کا پریشاں ہونا

اس شعر پر نقد کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ یہ قرآنی تعلیمات اور توحید کے منافی ہے، موت اچانک آتی ہے اس میں عناصر کا کوئی دخل نہیں ہے، بم پھٹا آدمی لقمۂ اجل بن گیا، عناصر کو پریشان ہونے کا وقت کہاں۔

مہمان نوازی : جس شخص کی زندگی کتاب وسنت سے عبارت ہوتی ہے وہ اپنے تمام افعال واعمال پر نگاہ رکھتا ہے اور تعلیمات قرآنی وسنن مصطفوی سے ادنیٰ انحراف اس کی طبیعت پر ناگوار گزرتی ہے، ارشاد نبوی ”من کان یومن باللہ و الیوم الآخر فلیکرم ضیفہ“ کے پیش نظر آپ ہر آنے والے مہمان کا خندہ پیشانی سے استقبال کرتے تھے، چھوٹے بڑے، امیر وغریب اور اساتذہ وطلباء کے درمیان تکریم کے سلسلہ میں کسی طرح کی تفریق نہیں کرتے تھے، میں اپنا ذاتی واقعہ آپ لوگوں کے گوش گذار کر رہا ہوں گذشتہ سال میں برادر گرامی مولانا خیر اللہ صاحب اثری کے ہمراہ بڑھنی بس اسٹاپ چوراہے پر آپ سے ملنے گیا تھا، شرف ملاقات حاصل ہوئی سلام وکلام کے بعد برادرم اثری صاحب نے میرا تعارف کرایا، آپ نے پرخلوص انداز میں ہم لوگوں کو چائے نوشی کی پیش کش کی، احتراماً ہم لوگوں نے معذرت کرتے ہوئے دعاؤں اور نصیحتوں کی درخواست کی جسے آپ نے قبول کرلیا، پھر نہایت ہی بیش قیمت ونفع بخش کلمات کے ذریعہ نصیحت کی اور دعاؤں سے نوازا۔

ہمدردی وغمخواری : حاجت مند لوگوں کے لئے آپ کا دل بہت کشادہ تھا، آپ اپنے قول وعمل سے ”النصح لکل مسلم“ ثابت کر دکھایا ہے کہ میں ہر مسلمان کا بہی خواہ ہوں اور یہی میری زندگی کا اصل مقصد ہے، ان کے ماموں کا بیان ہے کہ حکومت ہند نے محمود واگرانٹ

نہر سے لے کر گنجہڑا ہوتے ہوئے مہتھا بازار تک ایک باندھ باندھنے کا منصوبہ بنایا، ٹینڈر بھرا گیا کام شروع ہو گیا، باشندگان گنجہڑا نے اس فیصلے کے منفی اور نقصان دہ پہلو کو حکومت ہند اور صوبہ کے سرکاری افسران کے سامنے تحریری طور پر پیش کیا، کہ اس باندھ سے پورا گاؤں ندی میں چلا جائے گا، لیکن اس درخوست کو کوڑے دان میں ڈال دیا گیا، انکے ماموں نے ان سے کہا کہ یہ کام کسی طرح سے روکو، ورنہ یہ ہمارے مسلمان بھائی برباد ہو جائیں گے، اپنے ماموں کی اس آواز پر فور لبیک کہا اور دلی عازم سفر ہو گئے، جب کہ ان کے بعض عزیزوں کو انکا یہ سفر اور فیصلہ اچھا نہ لگا، ناراض ہوئے، روکنے کی بھرپور کوشش کی، لیکن انہوں نے بزبان حال اس ناگواری کا جواب یوں دیا۔

کہتا ہوں وہی بات سمجھتا ہوں جسے حق

میں زہر ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند

دلی پہنچ کر اپنے سیاسی اثر و رسوخ کا بھرپور فائدہ اٹھایا اور اس وقت کے وزیر اعلیٰ وبر بہادر سنگھ کے نام اس باندھ کے خلاف آرڈر لے آئے، وزیر اعلیٰ نے ہیڈ انجینئر کشف الدجیٰ کو کام روکنے کا حکم دیا، اس طرح باندھ کا کام فوراً بند کر دیا گیا جس سے گاؤں کے لوگوں نے راحت کی سانس لی، اسی طرح سے موضع گنگوا ضلع سدھارتھ نگر میں دو رشتہ داروں کے مابین کسی بات پر اختلاف ہو گیا، آپسی ناراضگی اس قدر ہوئی کہ طلاق کی نوبت آ گئی، آپ وہاں پہنچے اور تین دن تک قیام فرمایا، دونوں رشتہ داروں کو سمجھا کر صلح کرا دی، اس وقت میاں بیوی دونوں عیش و آرام کی زندگی گزار رہے ہیں۔

دفاع سنت اور عظمت مصطفیٰ : بلا شک وارتیاب حدیث رسول حجت شرعی ہے اور اس کی حجیت کا انکار کرنے والا کافر ہے، سرزمین ہند میں جب اور جہاں بھی فتنۂ انکار حدیث کا جنم ہوا وہاں علمائے اسلام نے اسے دفن کر دیا، لیکن بعض کوتاہ فہم، کور باطن اور طاغوتی وصہیونی طاقتوں کے ایجنٹوں کو جہاں کہیں بیٹھنے کا موقع ملا، فوراً فکر چکڑالویت کو پھیلانے کی کوشش شروع کر دی،

یہی کچھ ضلع مدھو پور، صوبہ بہار حالیہ جھارکھنڈ میں ہوا، ڈل فیل عبدالحمید نامی ایک شخص کانکی نارا، کلکتہ سے بھاگ کر مدھو پور آیا، یہیں آباد ہو کر فتنہ انکار حدیث کی آبیاری کرنے لگا اور اپنی تحریک کی تائید میں ''ایمان و عمل''، ''مخزن علم و بصیرت''، ''انکار حدیث یوں'' جیسی کتابیں شائع کیں، جس کا دندان شکن جواب شیخ صفی الرحمن صاحب مبارک پوری رحمہ اللہ نے ''انکار حدیث حق یا باطل'' اور مولانا محمد طیب مدنی نے اپنی کتاب ''قول فیصل'' میں دے کر لوگوں کو اس گروہ میں شامل ہونے سے بچالیا، مفسر قرآن رحمہ اللہ بھی منکرین حدیث مدھو پور کے مقابلے کے لئے متعدد بار وہاں تشریف لے گئے، بسا اوقات بیس دن اور ایک ماہ رک کر مختلف مواضعات میں خطاب فرمایا اور اپنی شیریں زبان و دلنشین اسلوب و انداز میں حجیت حدیث کے موضوع پر موثر انداز میں تقریریں کیں، ان کے شیطانی ہفوات کا جواب دیا، متعدد آیات قرآنی کے ذریعے نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی کی اطاعت اور حدیث کی حجیت کو ثابت کر کے اس فتنہ کی سرکوبی میں ایک اہم کردار ادا کیا، بندۂ مومن کا سب سے قیمتی سرمایہ محبت رسول ہے جو ایمان کا ایک جز ہے، اس کے بغیر ایمان نامکمل ہے جس شاعر نے بھی یہ شعر کہا ہے اس نے نصوص کتاب و سنت کی صحیح ترجمانی کی ہے۔

محمد کی محبت دین حق کی شرط اول ہے
اسی میں ہو اگر خامی تو سب کچھ نامکمل ہے

چنانچہ دشمنان اسلام شیطانی صفت سلمان رشدی، بنگال کی آبرو باختہ تسلیمہ نسرین اور ڈنمارک کا بدنام اخباری ایڈیٹر نے جب ہمارے نبی اکرم ﷺ کی ذات گرامی پر ناپاک حملہ کیا، آپ کو عیاش اور دہشت گرد ثابت کرنا چاہا اور قرآنی تعلیمات کو فرسودہ قرار دیا، تو پورے ملک کے مسلمان غم و غصہ سے آگ بگولہ ہو گئے، جگہ جگہ ان کے خلاف احتجاج ہونے لگے، مفسر قرآن رحمہ اللہ سمیت ہر خطہ کے علمائے کرام مسجد کے منبر و محراب اور دینی اجتماعات کے ذریعہ ان کے بیہودہ افکار و خیالات کی تردید کر رہے تھے، بمقام تلشی پور، ضلع بلرام پور میں منعقد سیرت کانفرنس

میں انہیں اعدائے اسلام کے خلاف آپ نے نہایت ہی پر جوش ولولہ انگیز اور یادگاری تقریر کی، ہر چند منٹ پر آپ "تباً لدنمارک" کہتے اور زخم خوردہ مسلمانوں کی مرہم پٹی کر رہے تھے اور انہیں اسلام اور پیغمبر اسلام کی تاریخ بتا رہے تھے کہ یہ اسلام دشمنوں کی سازش ہے، یہ فرعونی اور ابولہبی ذہنیت ہے، ڈرنے اور دلبرداشتہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے، اللہ کی گرفت سخت ہے آپ جیسے دنیا بھر کے مسلمانوں کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ کو اللہ نے شرف قبولیت بخشی اور ڈنمارک کا اخباری اڈیٹر اپنے ہی دفتر میں جل کر اپنے انجام بد کو پہنچ گیا، سچ اور حقیقت ہے کہ اللہ کی لاٹھی میں آواز نہیں ہے، اے اللہ تیرا کلام کتنا سچا ہے "و أملی لهم إن کیدی متین".

<u>احیاء سنت نبوی کی سعی</u>: دعوت وارشاد کے میدان میں کام کرنے والے دعاۃ، ائمہ اور علمائے کرام کا دینی فریضہ ہے کہ اپنے قول وفعل سے سنن مہجورہ کو زندہ کریں، عوام کو اس کی سنیت سے آگاہ کریں، سنت نبوی کی اتباع کی تاکید کریں، ابھی چند سالوں سے عوام الناس میں یہ بات مشہور ہوگئی ہے کہ تدفین میت کے بعد دعا کرنا ضروری نہیں ہے بلکہ بدعت ہے، عوام الناس نے سنا اور دل کی اتاہ گہرائی سے قبول بھی کیا آج کل کا حال یہ ہے کہ تدفین کے بعد فوراً تمام لوگ بھاگ کھڑے ہوتے ہیں اور قبر پر صرف ورثاء ہی نظر آتے ہیں مفسر قرآن رحمہ اللہ اس نظریہ کے حامل علماء وعوام سب کے سخت مخالف تھے، اور حدیث نبوی "استغفروا لأخیکم" کی روشنی میں ان کے اس عمل کو ہدف تنقید بناتے تھے، تدفین کے بعد آپ مٹی دیتے، پھر ورثاء اور شرکاء سب سے مغفرت کی دعا کی درخواست کرتے، گذشتہ سال انتری بازار، اور امسال گنیش پور میں میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ آپ نے میت کی تدفین کے بعد میت کے لئے دعا مانگی ہے، اس طرح یہ سنت جو مکمل سنت مہجورہ میں سے تو نہیں ہے لیکن سنن متروکہ کی ڈگر پر ہے، آپ جب تک زندہ رہے اپنی زبان حال وقال سے اس عمل کی مخالفت کرنے اور اتباع سنت پر مداومت برتنے کی تلقین کی ہے، تدفین کے بعد قبر پر پانی چھڑکنے کے جواز کے آپ قائل تھے، یہ آپ کا تساہل اور

علمی تسامح تھا، کیونکہ اس باب میں وارد تمام احادیث و آثار کی سند و متن پر محدثین کرام بالخصوص علامہ محمد ناصر الدین البانی نے جرح ونقد کرتے ہوئے ضعیف قرار دیا ہے، والعصمة لله.

فروغ سلفیت اور مسلکی غیرت وحمیت: مفسر قرآن رحمہ اللہ اور خطیب الاسلام علامہ عبدالرؤف رحمانی دونوں ایک راہ کے مسافر تھے، عقیدۂ سلفیت کو فروغ دینے اور کفر وشرک کے بتوں کو پاش پاش کرنے پر آپ جھنڈانگری کے قدردانوں میں تھے ظلمت کدۂ نیپال میں مسلک سلف کی ترجمانی اور باطل افکار وخیالات، شیطانی توہمات کی بیخ کنی کی خاطر جناب الحاج نعمت اللہ خان نے جامعہ سراج العلوم جھنڈانگر کی داغ بیل ڈالی، زندگی بھر اس کے اخراجات و ضروریات کی خود تکمیل کی، پھر اس کی نظامت کا بوجھ اپنے لائق فرزندار جمند علامہ جھنڈانگری کے سپرد کردیا، لیکن کچھ شرپسندوں کی ریشہ دوانی سے مولانا کو کچھ دنوں کے لئے جامعہ سے الگ ہونا پڑا اور اس کے نتیجہ میں جامعہ روبہ زوال ہوگیا، صدر مجلس منتظمہ مولانا عبدالقیوم رحمانی صاحب نے مولانا جھنڈانگری کی کمی کو شدت سے محسوس کیا، علامہ کے با اثر اور سرکردہ شخصیات سے مشورہ کر کے علامہ جھنڈانگری کی دوبارہ بحالی کی انتھک کوشش کی، جس میں انہیں مکمل کامیابی مل گئی، چنانچہ خطیب الاسلام دوبارہ اپنے اس منصب پر واپس آئے اور جامعہ کے بنیادی اہداف و مقاصد کو بروئے کار لانے میں تندہی کے ساتھ جٹ گئے، اس طرح مفسر قرآن کی مخلصانہ کاوشوں سے ملک نیپال کا یہ عظیم سلفی ادارہ غیر جماعتی افراد کے ہاتھوں سے نکل کر مسلک سلف کے پاسدار علامہ جھنڈانگری کے زیر انتظام چلنے لگا اور شاہ راہ ترقی پر گامزن ہوگیا اسی طرح پیرانہ سالی، ضعیفی متعدد عوارض انسانی کے باوجود جمعیت و جماعت کی میٹنگ میں شرکت کرنا اس کی ہر ایک آواز پر لبیک کہتے ہوئے بعض دیگر علمی پروگراموں میں حاضر ہونا، نیک مشوروں سے نوازنا، نوجوانان ملت کو کار دعوت کی ترغیب دینا، مسلک اہلحدیث کو عام کرنے کی خاطر ہند و نیپال کے چپہ چپہ میں دعوتی و تبلیغی دورہ کرنا، بیماری کے باوجود ۱۳/۱۴/۱۵/ مارچ ۲۰۰۴ء مطابق ۲۱/۲۲/۲۳/ محرم ۱۴۲۵ھ میں ۲۸

ویں آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس، بمقام پاکوڑ، صوبہ جھارکھنڈ میں شرکت کرنا ذمہ داران جمعیت و افراد جماعت اہل حدیث کے حوصلوں میں بالیدگی پیدا کرنے کے مترادف تھا، یہ سب جو کچھ ہوا آپ کی جماعتی غیرت وحمیت کا جیتا جاگتا ثبوت ہے۔

رشتۂ ازدواج اور اولاد واحفاد : آپ کا ننہال اور سسرال دونوں موضع گنجہڑا، ضلع سدھارتھ نگر میں تھا، آپ نے تین شادیاں کی تھیں، جنکی تفصیل اس طرح ہے (۱) آپ کی پہلی شادی آپ کے ماموں عین اللہ بن نور محمد گنجہڑا کی صاحب زادی کے ہمراہ ہوئی تھی جس سے صرف ایک بچی فاطمہ پیدا ہوئی، جس کی شادی جناب عبدالحکیم بن عبدالوہاب دھنکھر پور کے ہمراہ ہوئی ہے (۲) پہلی رفیقہء حیات کے انتقال کے بعد آپ نے دوسری شادی اپنے گاؤں ہی میں مولانا عبدالصمد صاحب کی بہن حسینہ سے کی تھی، کچھ دنوں بعد ان کا بھی انتقال ہوگیا، ان سے کوئی اولاد پیدا نہیں ہوئی (۳) تیسری شادی موضع بشن پور چوبے، ضلع سدھارتھ نگر میں جناب عبدالستار صاحب کی دختر نیک سنت النساء کے ہمراہ ہوئی، جو ابھی بقید حیات ہیں ان سے پانچ بیٹے اور دو بیٹیاں ہیں، بیٹوں کے نام اس طرح ہیں (۱) بدر عالم خان (۲) مسعود عالم خان (۳) حیدر عالم خان (۴) ظہیر عالم خان (۵) قمر عالم خان، بیٹیوں کے نام اس طرح ہیں (۱) فاطمہ خاتون (۲) رضیہ خاتون (۳) صفیہ خاتون۔

منفرد اسلوب خطابت : سمجھ میں صاف آجائے فصاحت اس کو کہتے ہیں
اثر ہو سننے والوں پر بلاغت اس کو کہتے ہے

شب و روز کی بے پایاں کاوشوں سے آپ دنیائے خطابت کے آفتاب و ماہتاب بن کر چمکے اور اسی کی بدولت عالم اسلام میں آپ کو کافی شہرت اور عزت ملی، زندگی بھر دلنشین وعظ و مؤثر تقریر کر کے دعوت و ارشاد کا فریضہ انجام دیتے رہے، نہایت دل سوزی کے ساتھ اسلامی معاشرہ وسماج کی اصلاح کرتے رہے، آپ کی تقریر دل پزیر مسحور کن وعظ وارشاد کو سننے اور استفادہ

کرنے کی خاطر دور ونزدیک گاؤں اور دیہات سے عوام وخواص سیلاب کے مانند امنڈ پڑتے تھے مولانا بسا اوقات اپنی تقریروں میں حالات حاضرہ پر بے لاگ تبصرہ کرتے، عوام کو سیاسی حالت اور نیتاؤں کی سیاہ کاری سے آگاہ فرماتے، حالات وظروف کی رعایت کرتے ہوئے متنوع اور حساس موضوعات توحید خالص ،فکر آخرت، رسالت نبوی کی صداقت وحقانیت، احوال قیامت، ایمان و عمل اور اصلاح معاشرہ جیسے عناوین کا انتخاب فرماتے تھے، پھر قرآنی آیتوں، حدیثوں اور امم سابقہ کی حکایتوں کے ذریعہ اس کی خوب وضاحت فرماتے تھے، بے سروپا قصص وحکایات، لطائف وغرائب بالکل نہیں سناتے تھے، بلکہ بعض قصہ گو واعظین ومقررین سے یہ کہتے تھے کہ قرآنی قصص سنایا کرو یہی ہم سب کے لئے کافی وافی ہے اور غیر مستند واقعات بیان کرنے سے اجتناب کرو، اپنے سامنے بیٹھے ہوئے دیہاتی سامعین وسامعات کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے نہایت عام فہم اور آسان زبان استعمال کرتے تھے جو فوراً انکے دلوں میں اتر جاتی تھی ۔

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا ☆ میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

دوران خطاب مسجع ومقفع، بھاری بھرکم اور مشکل الفاظ کا استعمال نہیں کرتے تھے، اسی طرح سے آپ نہ نقال تھے اور نہ ہی قوال آپ اپنے خاص اسلوب وانداز میں پرسوز، ولگداز آواز میں پوری حیات مستعار زمزمہ سنج اور نغمہ سرا رہے۔

دور حاضر کے بعض جلساتی خطباء کی طرح چیخ وپکار، ڈائلاگ اور آواز وسینے کے زور سے آپ اپنی بات ثابت نہیں کرتے تھے، لہک لہک کر اپنی خطیبانہ شان کا مظاہرہ نہیں کرتے تھے بلکہ آیات قرآنیہ واحادیث نبویہ کے ذریعہ اپنا مدعا ثابت کرتے تھے، آپ کے انداز خطابت کا اسلوب ایسا دلکش، منفرد اور نرالا تھا کہ مجمع پر سکوت اور سناٹا چھایا رہتا تھا، اور سامعین محو برگوش ”کان علیٰ رؤوسھم الطیر“ کے مصداق ہوتے تھے، جب آپ اپنے منفرد اسلوب میں قرآن کریم کی آیتوں کی تلاوت کرتے اور تفسیری نکات بیان کرتے تھے تو ایک سماں بندھ جایا کرتا تھا، وہ

منظر قابل دید ہوتا تھا، آپ نے تقریر کرنے کا جو طریقہ اختیار کیا تھا وہ فطری تھا اور اتنا مشکل تھا کہ کوئی آج تک اس کی نقالی نہ کرسکا جبکہ نہ جانے اس دور میں کتنے ایسے لوگ ہیں جو ہندو پاک کے نامور خطباء کی آواز و طرز خطابت کو اپنانے کی بھرپور مشق کر کے عوام پر اپنا سکہ جمانا چاہتے ہیں۔تقریر کرنے کے لئے جو وقت آپ کو دیا جاتا تھا اس کی بھرپور رعایت کرتے تھے اور بسا اوقات اگر وقت زیادہ ہوجاتا اور آپ کو یاددہانی کرائی جاتی تو فوراً وہیں اختتامی کلمے، و آخر دعوانا ان الحمدلله رب العالمین کہہ کر اپنی بات ختم کر کے اسٹیج کو دوسرے خطیب کے لئے چھوڑ دیتے تھے۔بعض خطباء کی طرح سے آپ کو صرف دو چار تقریریں از بر نہ تھیں، بلکہ موضوعات کی کثرت آپ کے سامنے رقص کررہی ہوتی تھی، مناسب حال موضوع کا انتخاب کر کے اپنی بات شروع کرتے، معاشرے کی دینی، اخلاقی بیماریوں کا گہرا مطالعہ کرنے کے بعد لوگوں کے روبرو اس کا آپریشن کرتے تھے، الفاظ اور اسلوب ایسا ہوتا تھا کہ بسا اوقات پورا پنڈال قہقہوں میں ڈوب جاتا تھا، مجھے آپ کے بعض اجلاس عام اور کانفرنسوں میں شرکت اور استفادہ کرنے کا موقع ملا ہے صرف کچھ باتیں یاد رہ گئی ہیں، افادۂ عام کی خاطر آپ کی تقریروں کے بعض اہم اقتباسات اور تفسیری نکات پیش خدمت ہیں۔

☆ خواتین ملت اسلامیہ کو بلاضرورت گھروں سے نکلنے سے روکتے تھے فرماتے تھے کہ تمہارے رب کا فرمان ہے کہ ﴿وقرن فی بیوتکن... الآیة﴾ تم اپنے گھروں میں گڑی رہو اور ادھر ادھر چھچھواؤ نا۔

☆ ماہ رمضان میں آپ نے ایک آدمی سے کہا کہ تم مسجد میں افطار کرنے کیوں نہیں آتے ہو تو اس نے اپنی مالی پریشانی کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ مولانا میرے پاس اتنا روپیہ نہیں ہے کہ سیب کیلا سنترہ خرید کر افطار کروں اور کراؤں تو آپ نے اسے سمجھایا کہ کس نے کہا اور کہاں لکھا ہے کہ افطار سیب اور سنترہ کے بغیر نہیں ہوگا، تمہارا قرآن کہہ رہا ہے کہ

﴿ وممارزقناهم ينفقون ﴾ جون چولھوپ پاکے وہی سے روزہ کھولو۔

☆ کئی سال وطن اور بیویوں سے دور رہنے والوں کو سمجھایا کرتے تھے کہ تمہارا یہ طریقہ تعلیمات قرآنی کے خلاف ہے ارشاد ربانی ہے ﴿ اسکنو هن من حيث سكنتم ﴾ جہاں رہو وہیں اپنی عورتوں کو ڈور یائے رہو۔

☆ دیہاتی زبان میں ﴿ یاایھاالناس ﴾ کا ترجمہ جنتا جناردن اور ''تدخین'' کا ترجمہ دھواں دھکڑ سے کرتے تھے۔

☆ داماد کے انتخاب میں حضرت شعیب علیہ السلام کے انداز انتخاب کو بھی سامنے رکھو اور اپنی بچی کی شادی ایسے لڑکے سے کرو جو چیمر ہو، بھدا اور ڈھلڈ ھلاہا نہ ہو نیز اپنی شہوانی قوت کو اور کہیں دوسری جگہ خرچ نہ کرتا ہو یہ بھی امانت میں شامل ہے جیسا کہ ارشاد ربانی ہے (إن خير من استأجرت القوى الامين).

☆ فسادی اور جھگڑالو مزاج کی عورتوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کرتے تھے کہ ''اگر کوئی عورت تن من سے چاہ لے تو گیلی لکڑی میں بھی آگ لگا سکتی ہے'' مولانا کے اس جملہ کو سن کر لوگوں کو تعجب ہوا کہ یہ کیسے ممکن ہے، فرمایا رات میں مرد جب اپنی بیوی سے ملتا ہے تو اس کی بیوی رات بھر اس کے کان بھرتی ہے، رات بھر پھسر پھسر ماں باپ اور بھائی کی شکایت کرتی ہے، صبح ہوتی ہے تو میاں جی کی آنکھ سرخ ہو جاتی ہے، گھر کے ہر کونہ میں آگ لگ جاتی ہے اور پورا سکون غارت ہو جاتا ہے، مار پیٹ، گالی گلوج حتیٰ کہ بٹوارے کی بھی نوبت آجاتی ہے، یہ اسلوب و انداز صرف آپ ہی کا حصہ تھا اس میدان میں آپ کا کوئی شریک نہیں ہے۔

یہ رتبہ بلند ملا جسکو مل گیا ☆ ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں

مقالہ نویسی اور تصنیفی خدمات: امام الہند حضرت مولانا ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ تصنیف، تدریس اور تقریر کی خوبیاں کسی ایک شخص میں جمع ہونا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے، کوئی

عالم مقرر ہے، تو مدرس نہیں، بہترین مدرس ہے تو مقرر نہیں اور اگر میدان خطابت کا شہسوار ہے تو تصنیف کے میدان میں کمزور مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو تینوں اوصاف بالا سے نوازا تھا، یہ اور بات ہے کہ آپ نے اپنی ساری توجہ فن خطابت ہی پر مرکوز رکھی اور تدریسی وتحریری اور انشاء پردازی کی صلاحیتوں کو استعمال نہیں کیا، ۲۸ ویں آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس بمقام پاکوڑ، جھارکھنڈ کے تعلق سے جریدہ ''ترجمان'' کے خصوصی نمبر اور بلاد عرب کے بعض شاگردان کے واسطے سے ہمیں آپ کی جن کتابوں، رسالوں اور وقیع مضامین معلوم ہوئے ہیں وہ حسب ذیل ہیں :

۱۔اربعین :۔۲۔حاضر و ناظر، ۳۔تاریخ الیہود و النصاریٰ: یہ رسالہ عربی زبان میں مطبوع ہے۔۴۔دلائل احدیۃ الرحمٰن نظرات فی سورۃ الرحمٰن : یہ آپ کے ملفوظات ہیں جس کی تنقیح وتہذیب آپ کے ایک سعودی شاگرد شیخ بدر بن علی بن طامی العتیبی نے کی ہے۔ ۵۔الہدیۃ باَ وائل اصول کتب السنۃ النبویۃ ۔۶۔ منحۃ الباری بختم سماع صحیح البخاری ۔ ۷۔الابتہاج بختم سماع صحیح الامام مسلم بن الحجاج ۔ یہ تینوں کتابیں بھی آپ کے شاگرد شیخ بدر بن علی بن طامی کی تیار کردہ ہیں (۸) نور العین فی وصف رحلۃ الشیخ المحدث عبد القیوم الرحمانی الی مملکۃ البحرین، جمع وترتیب :سید حسن الحسینی، ۸۔ایثار مجسم : (شیخ عطاء الرحمٰن رحمہ اللہ) کی زندگی کے مختصر حالات، یہ مضمون محدث دہلی ۱۹۳۸ء میں شائع ہو چکا ہے۔۹۔قرآن اور توحید باری تعالیٰ یہ مضمون محدث دہلی ۱۹۳۹ء میں شائع ہو چکا ہے۔

علمائے کرام کے علم ومعرفت کا اعتراف واحترام : جرح وتعدیل کے عظیم نقاد امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے حضرت یحیٰ بن سعید قطان کے علم وفضل کا اعتراف یوں کیا ''ما رایت بعینی مثل یحیےٰ بن سعید القطان'' (سنن ترمذی، ابواب القدر)

مفسر قرآن رحمہ اللہ کے اندر بھی یہ خوبی موجود تھی آپ اسلاف کرام ومشائخ عظام کا

خوب احترام کرتے تھے، اپنے موقف و استدلال پران لوگوں کے آراء کا ذکر کرتے تھے، خصوصاً اپنے استاد محترم شیخ الحدیث علامہ عبید اللہ رحمانی مبارک پوری اور شیخ الحدیث علامہ احمد اللہ پرتاب گڈھی کا ذکر جمیل نہایت عقیدت مندانہ لب ولہجہ میں کیا کرتے تھے اور ان کے علمی کمالات و خصوصیات کا اعتراف کرتے تھے، اسی طرح سے بعض معاصر علماء کرام مثلاً استاد محترم شیخ الحدیث مولانا عبد الحنان فیضی رحفظہ اللہ کے علمی فیوض و برکات کا اقرار کرتے اور خطیب الاسلام علامہ عبد الرؤف رحمانی جھنڈا نگری کے علمی، دعوتی، تنظیمی، جماعتی اور حسن انتظام وانصرام کی داد تحسین دیتے تھے۔

اعتراف کمال وخصوصی انعامات و اعزازات: ☆ آپ کے طویل دعوتی وتبلیغی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے ذمہ داروں نے باتفاق آراء ۲۸ ویں آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس بمقام پاکوڑ، جھارکھنڈ میں ایوارڈ سے نوازا۔

☆ وزارت الاوقاف کویت نے آپ کو سرکاری مہمان کے طور پر کویت آنے کی ویزا دی اور ایک ماہ تک آپ کی ضیافت کی، اور بہت سارے مشائخ نے آپ سے سند اجازت حاصل کی۔

☆ مجاہد آزادی کی وجہ سے حکومت ہند نے مواصلات کی مراعات وسہولیات فراہم کی۔

☆ آزادی وطن کے بعد حکومت ہند نے بطور انعام آپ کو جھونگھوا کھادر میں بھی آراضی دی۔

زیارت حرمین شریفین: ۲۰۰۴ء میں آپ نے اپنے فرزندار جمند جناب ظہیر عالم خان کے ہمراہ حرمین شریفین کی زیارت کی اور حج کی سعادت سے بہرہ ور ہوئے، نیز ایک سے زائد عمرہ بھی کیا

آخری ملاقات علالت اور وفات: مورخہ ۱۴ رمئی ۲۰۰۸ء بروز بدھ تقریباً تین بجے دن گنیش پور کے ماسٹر عتیق الرحمٰن صاحب کا طویل علالت کے بعد انتقال ہوگیا، دوسرے دن ان کی نماز جنازہ میں شرکت کے لئے حاضر ہوا اور مفسر قرآن رحمہ اللہ کی امامت میں ان کی نماز جنازہ ادا کی، تدفین سے فارغ ہونے کے بعد آپ نے لوگوں سے کہا کہ میت آپ لوگوں کی دعاؤں کا محتاج ہے، خلوص نیت سے اس کے لئے مغفرت کی دعا کرو، یہی میری آخری ملاقات اور ان کی آخری

نصیحت تھی،اس کے بعد اس فرشتہ خصلت شخصیت کے نورانی چہرے کا دیدار نہ ہوسکا۔

آپ کسی دعوتی سفر سے گھر واپس آئے تھے اچانک طبیعت خراب ہوئی،آپ کے فرزندوں نے مقامی معالج سے علاج کرایا، خاطر خواہ افاقہ نہ ہونے کی صورت میں لکھنؤ لے جائے گئے اور ابھی ہاسپٹل کے دروازے پر ہی پہنچے تھے کہ روح قفس عنصری سے پرواز کرگئی، اللھم اغفر له و نور له فی قبره.

آپ کے انتقال کی خبر قرب و جوار، دور دراز علاقوں شہروں اور دیہاتوں میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی، ہر شخص غمزدہ تھا اور آپ کی صلاۃ جنازہ، تجہیز وتکفین میں شرکت کا متمنی تھا، نماز جنازہ میں ہند و نیپال سے کثیر تعداد میں لوگوں نے شرکت کی، ٹھاٹھیں مارتے ہوئے ہجوم میں زیادہ تر سفید پوش علماء و دعاۃ اور مدارس و جامعات کے اہم ذمہ داران ہی نظر آرہے تھے ان کے علاوہ علاقہ کے سربرآوردہ شخصیات، سرکاری افسران اور اعلیٰ عہدے داران بھی موجود تھے، نیز جماعت کی وہ محترم شخصیتیں بھی تھیں جو اپنی پیرانہ سالی اور متعدد عوارض کے سبب سفر اور چلنے پھرنے سے معذور ہیں لیکن مفسر قرآن کی عقیدت ومحبت انہیں کھینچ لائی اور اللہ رب العالمین نے ان کے اندر چلنے کی قوت بخشی۔

محترم مولانا عبدالحمید رحمانی رحفظہ اللہ دہلی کی امامت میں صلاۃ جنازہ پڑھی گئی، پھر ہزاروں سوگواروں نے بچشم نم اپنے اس محبوب، ہردل عزیز، بلند پایہ خطیب اور عظیم عالم دین کو سپرد خاک کیا۔ اخیر میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مفسر قرآن کی تمام تر دینی، ملی، جماعتی اور مسلکی اعمال و خدمات کو اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت بخشے اور ان کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ (آمین)

تمام پسماندگان، اولاد و احفاد، تلامذہ اور تمام محبین کو صبر جمیل کی توفیق ارزانی دے اور ہم سب کو ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ (آمین)

زندگانی تھی تری مہتاب سے تابندہ تر

مولانا عبدالجبار انعام اللہ سلفی
مدیر ماہنامہ صوت الاسلام ممبئی

یوں تو ہمیشہ ہی اس عالم رنگ و بو میں بیشمار نوابغ روزگار، اصحاب کمالات جنم لیتے ہیں اور اپنے علم وفضل اور کمالات سے لوگوں میں انقلاب برپا کر کے اس عالم فانی سے اس طرح کوچ کر جاتے ہیں کہ لوگ ان کی وفات کا کچھ عرصہ غم منا کر انہیں طاق نسیاں کے حوالہ کر دیتے ہیں یا اگر زمانہ ان کے ساتھ بہت زیادہ وفا کرتا ہے تو وہ تاریخ کا ایک باب بن کر رہ جاتے ہیں۔

لیکن ایسی ہستیاں بہت کم دیکھنے میں آتی ہیں جو اپنے بلند اخلاق و کردار، عمدہ کار کردگی، اور دوسرے اوصاف حمیدہ کی وجہ سے موافق ومخالف دونوں کے درمیان یکساں طور پر جانے اور مانے جاتے ہوں، یا جن کے کمالات دوررس اثرات اور جہود مفید نتائج کے حامل ہوتے ہیں اور ایک طویل مدت تک ان کی کمی کا شدت سے احساس کیا جاتا ہے۔

انہی نادرالوجود ہستیوں میں مفسر قرآن حضرت مولانا عبدالقیوم رحمانیؒ کی بھی ایک ہستی تھی جو اپنے اوصاف حسنہ، اخلاق حمیدہ اور بردباری کی وجہ سے مخالف وموافق دونوں کے یہاں عزت واحترام اور توقیر کی نگاہ سے دیکھی جاتی رہی ہے۔

مولانا موصوف جن کو اب رحمہ اللہ لکھتے ہوئے قلم رک جا رہا ہے، آنکھوں سے آنسوں جاری ہیں اور دل ایک عجیب اضطرابی کیفیت کا شکار ہے گوناگوں خوبیوں اور اچھائیوں کے حامل فرد تھے۔آپ اگر ایک جانب کامیاب مدرس ومعلم، محقق، مفسر اور خطیب تھے تو دوسری طرف ایک نہایت ہی مدبر سیاست داں بھی تھے، آپ کو عربی، فارسی کے ساتھ انگریزی زبان پر عبور حاصل تھا، جس میدان میں آپ نے قدم رکھا کامیابی وکامرانی نے بڑھ کر شاندار استقبال کیا۔اور جس

طرف بھی رخ موڑا لوگوں کی کایا پلٹ ہوگئی۔

جب پورے ہندوستان میں تحریک آزادی بڑے زور و شور سے جاری تھی انگریز سامر کی دہشت گردی بالکل شباب پر تھی اس وقت آپ جامعہ رحمانیہ مرحوم دہلی میں زیر تعلیم تھے چو اللہ نے آپ کو حساس دل اور باریک بیں نگاہیں عطا کی تھیں اس لئے آپ کے قلب و وجدان ۔ اندر سیاست کے اندر حصہ لینے کا داعیہ اور جذبہ انگڑائی لینے لگا اور تعلیم سے فراغت کے فوراً بعد سیاسی میدان میں کود پڑے۔ جس کی پاداش میں آپ کو پابند سلاسل کیا گیا، جیل کی سلاخوں ۔ پیچھے ڈالے گئے، بستی جیل، نینی جیل الہ آباد، گورکھپور جیل اور لکھنو میں یکے بعد دیگرے آپ کو قی بند کی صعوبتیں، مصائب جھیلنی پڑیں لیکن چونکہ آپ ایک قوم پرست لیڈر، قومی یکجہتی کے بردار، تقسیم وطن کے سخت مخالف، اور انگریزوں کے ظلم و ستم سے سخت نفرت کرنے والے تھے، ا لئے آپ کے پائے ثبات میں ذرہ برابر لغزش نہ آئی اور ہر طرح کی پریشانیوں کو بخوشی گوارہ کرلیا۔

لیکن آپ کی درویشانہ اور فقیرانہ زندگی نے زیادہ دنوں تک میدان سیاست میں رہنے موقع نہ دیا۔ اور پھر آپ کی عملی زندگی کا رخ دعوت و تبلیغ کی طرف ایسا مڑا کہ تاحین وفات زندگی ا کے لئے وقف کردی، آپ ایک بے باک اور ماہر خطیب تھے، آواز میں وہ گرج اور کھنک کہ اچ اچھوں کے پتے پانی ہو جاتے۔ آپ کی پوری تقریر قرآنی آیات سے عبارت ہوا کرتی تھی، قرآ کی تفسیر قرآن کے ذریعہ کرنے کا ایک عظیم ملکہ آپ کو حاصل تھا، قرآنی آیات کی ایسی نایاب نادر تفسیریں بیان کرتے کہ بڑے بڑے علماء حیران و ششدر رہ جاتے۔ انتقال سے ۱۷ دن قب امونا تیواری سدھارتھ نگر یوپی کے اجلاس عام میں اپنے مدبرانہ اور فقیہانہ انداز میں گفتگو کر۔ ہوئے کہا تھا کہ ”اے مسلمانوں! آج تم امریکہ اور برطانیہ کے بنائے ہوئے نیوکلیائی ہتھیار و سے ڈرتے ہو، اپنے اندر ایمانی جذبہ پیدا کرو، انشاء اللہ انکی یہ بنی بنائی ساری تدبیریں دھری دھری رہ جائے گی، اور ان کی میزائیلیں خود انہیں پر برسیں گی۔“ اور قرآنی آیت ﴿یا ایھا الذی

آمنوا اذکروا نعمة الله علیکم اذ جاء تکم جنود فار سلنا علیهم ریحاً و جنوداً لم تروها وکان الله بما تعملون بصیراً﴾ (سورہ احزاب:۹) سے استدلال کرتے ہوئے کہا کہ دیکھو''غزوۂ خندق کے موقعہ پر کفار عرب کس کروفر کے ساتھ مسلمانوں کو پسپا کرنے آئے تھے لیکن اللہ کی جانب سے تائید غیبی آئی اور اس قدر زور کی آندھی چلی کہ کافروں کی ساری تدبیریں بے کار ہوگئیں'' آج تم بھی اپنے ایمان کو مضبوط کرو ان کی ساری تدبیریں فیل ہوکر رہ جائیں گی۔

آپ کا دل اسلام اور مسلمانوں اور قوم وملت کے تعلق سے شدید اضطرابی کیفیت کا شکار رہتا تھا، جس کا اظہار اکثر وبیشتر اپنی زبان سے کیا کرتے تھے، آپ ایک علم دوست انسان تھے، اسی ناطے اس کی ترویج واشاعت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا چنانچہ جب قاضی محمد عدیل عباسی مرحوم نے اپنی تعلیمی تحریک شروع کی تو مولانا ان کی معیت میں شانہ سے شانہ ملا کر پوری ریاست میں گھوم گھوم کر دینی مکاتب ومدارس گاؤں درگاؤں قائم کیے جس کا واضح ثبوت درسگاہ اسلامیہ اکرہرا، انٹر کالج بڑھنی، مسلم ہائر سکنڈری اسکول مہدیا سدھارتھ نگر ہیں اسی طرح جامعہ سراج العلوم جھنڈا نگر کے تقریباً پچیس سال تک صدر رہے۔

مولانا مرحوم ایک عالم باعمل تھے، تلاوت قرآن اور اس کے معانی ومفاہیم پر تدبر وتفکر آپ کی زندگی کا لازمی جزء تھا۔ آپ کی زبان ہمیشہ ذکر الٰہی سے تر رہا کرتی تھی۔

آپ ایک درویش صفت انسان تھے، خاندانی وجاہت ہونے اور امیر گھرانے سے تعلق رکھنے کے باوجود فقیرانہ زندگی گذاری اور غرور وگھمنڈ، انا وتکبر اور تعلّی کو ذرہ برابر کنارے نہ آنے دیا جس کے معترف اپنوں کے ساتھ غیر بھی ہیں، اور سبھوں کو بزبان حال وقال کہنا پڑا۔

زندگانی تھی تری مہتاب سے تابندہ تر

اتنی تمام خوبیوں اور صفات کا حامل انسان قضاء الٰہی ﴿کل نفس ذائقة الموت﴾ کے پیش نظر ۸۸ رسالہ تابناک زندگی گذار کر ۲۸ رمئی ۲۰۰۸ء بروز بدھ ۱۱ ربجے دن میں داعی اجل کو

لبیک کہہ گیا۔ ﴿انا للہ و انا الیہ راجعون﴾

۲۹ رمئی ۲۰۰۸ء بروز جمعرات ۱۰ بجے صبح نماز جنازہ ادا کی گئی اور دسیوں ہزار علماء و دانشوران، مدارس کے طلبہ، اعیان جماعت و جمعیت اور دیگر قومی و ملی افراد کی موجودگی میں اپنے آبائی قبرستان میں سپرد خاک کر دئے گئے۔

ہم بارگاہ الٰہی میں رحمت الٰہی کے نزول کے لئے ڈاکٹر علامہ اقبال مرحوم کے لفظوں میں دعا گو ہیں!

مثل ایوان سحر مرقد فروزاں ہو ترا — نور سے معمور یہ خاکی شبستاں ہو ترا
آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے — سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

☆ ☆ ☆

مفسر قرآن مولانا عبد القیوم رحمانی رحمہ اللہ

با بصیرت عالم، صاحب طرز خطیب

مولانا خورشید احمد سلفی

شیخ الجامعہ، جامعہ سراج العلوم السلفیہ، جھنڈانگر

مفسر قرآن مجاہد آزادی حضرت مولانا عبد القیوم رحمانی رحمہ اللہ عمر طبعی کو پہنچ کر بعمر ۸۹ سال ۲۸ رمئی ۲۰۰۸ء بروز چہار شنبہ پی۔ جی۔ آئی۔ ہاسپٹل لکھنو میں عالم فانی کو چھوڑ کر عالم جاودانی کو سدھار گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا ایک دعوتی سفر سے واپس ہوتے ہوئے لُو زدہ ہو گئے تھے، مقامی ڈاکٹروں کے علاج سے کوئی افاقہ نہ دیکھ کر انہیں لکھنؤ لے جایا گیا جہاں علاج شروع ہونے سے پہلے ہی روح قفص عنصری سے پرواز کر گئی، ان کی نعش کو بذریعہ کار ان کے آبائی وطن دودھونیا رات دس بجے لایا گیا، جہاں سرکاری افسران ولیڈران نے حاضر ہو کر خراج عقیدت پیش کیا نماز جنازہ کے لئے دوسرے روز صبح ساڑھے آٹھ بجے کا اعلان ہوا وفات کی خبر قریب وبعید علاقوں میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی آٹھ بجتے بجتے ان کے مکان پر بہت بھیڑ اکٹھا ہو گئی جس میں قرب وجوار کے مواضعات کے باشندوں کے علاوہ اضلاع سدھارتھ نگر، بلرام پور، مہراج گنج، مئو اور نیپال سے بڑی تعداد میں عوام واہل علم شامل تھے۔

چنانچہ جامعہ سراج العلوم جھنڈانگر سے ناظم جامعہ مولانا شمیم احمد ندوی، مفتی جامعہ مولانا عبد الحنان فیضی، وکیل الجامعہ مولانا عبد المنان سلفی، مولانا مختار احمد مدنی، مولانا عبد الرشید مدنی، مولانا عبد العزیز طیبی، مولانا عبد المجید مدنی، مولانا محمد اسلم مدنی، مولانا انیس الرحمن مدنی، مولانا شفیع اللہ مدنی (اساتذہ جامعہ) اور راقم الحروف نے شرکت کی، جامعہ میں موسم گرما کی تعطیل

مالا مال تھے، انہوں نے اللہ تعالی کی طرف سے حاصل تمام عطیات کا استعمال خدمت اسلام اور ملک وملت کی تعمیر میں کیا جس سے انہیں عوام وخواص میں عزت ومقبولیت حاصل ہوئی، حدیث نبوی ہے جس کو امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے ''إذا أحب اللّٰه العبد فنادی جبرئیل أن اللّٰه یحب فلانا فاحبه فیحبه جبرئیل فینادی جبرئیل فی اهل السماء ان اللّٰه یحب فلانا فاحبوه فیحبهُ اهل السماء ثم یوضع له القبول فی الارض'' حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو جبرئیل علیہ السلام کو پکار کر کہتا ہے کہ اللہ فلاں بندے سے محبت رکھتا ہے لہٰذا تم بھی اس سے محبت رکھو تو جبرئیل علیہ السلام بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں اور پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام آسمان والوں سے پکار کر کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں بندے کو محبوب رکھتا ہے لہٰذا تم بھی اس سے محبت رکھو اور پھر آسمان والے اس سے محبت کرنے لگتے ہیں، اور پھر اہل زمین میں اس کی مقبولیت اور پسندیدگی پھیلا دی جاتی ہے۔

ذیل میں پیش ہے ان کے انہیں اوصاف وکمالات پر مشتمل ایک مختصر تذکرہ۔

خاندان و سکونت: ۔ آپ کا خاندان سرحد نیپال سے متصل ضلع سدھارتھ نگر (یوپی) کے بڑھنی ریلوے اسٹیشن سے صرف ایک کلومیٹر جانب جنوب موضع دودھونیاں میں آباد ہے جہاں تقریباً سارے لوگ مسلمان ہیں اور ایک ہی خانوادے سے تعلق ہے، اس موضع کے قرب وجوار کے مواضعات مثلاً سیبورا، اکرہرا، کھجوریہ بیرہوا، نگری، مہادیو بزرگ، ملگہیا، مصرولیہ اور جیا بھاری وغیرہ میں غالب آبادی یا اثر مسلمانوں کی ہے اور ماشاء اللہ اکثریت اہل حدیث ہے۔

مولانا کے خاندان کے متعلق بعض دستاویزات اور بزرگوں کے بیانات سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے آباء واجداد کا تعلق مجھولی (دیوریا) سے تھا انہیں میں سے مہاراجہ بودھ مل تھے جنہوں نے حلقہ بگوش اسلام ہوکر اسلامی نام محمد سلیم رکھا تھا انہی کے نام پر دیوریا میں سلیم پور قصبہ اور

ریلوے اسٹیشن موجود ہے۔

اسی مذکورہ خاندان کے کچھ افراد نقل مکانی کر کے مختلف جگہوں سے ہوتے ہوئے موضع دودھونیاں میں آکر آباد ہو گئے اور وہیں پھلے پھولے۔

اسی خاندان میں محترم زین اللہ صاحب کے گھر ۱۹۱۸ء میں مولانا کی ولادت ہوئی، آپ نے ناظرہ قرآن اور ابتدائی تعلیم گاؤں اور موضع سیورا میں حاصل کی، ایک سال بعد جامعہ سراج العلوم جھنڈانگر میں عربی و فارسی کا درس لینے کے بعد مشرقی یوپی کی مشہور درسگاہ جامعہ فیض عام مئو میں داخلہ لیکر جماعت رابعہ تک تعلیم حاصل کی، پھر دارالحدیث رحمانیہ دہلی کی شہرت آپ کو کشاں کشاں دہلی لے گئی، جہاں آپ نے وقت کے جید و نامور اصحاب علم و فضل سے کسب علم و فیض کیا، قیام دہلی میں مدرسہ فتح پوری وغیرہ مدرسوں کے ماہرین فن سے بھی خوشہ چینی کی۔

اساتذہ:۔ آپ کے قابل ذکر و مشہور اساتذہ میں شیخ الحدیث مولانا احمد اللہ صاحب پرتاب گڈھی، جامع المعقول والمنقول مولانا نذیر احمد صاحب رحمانی، شیخ الحدیث مولانا عبید اللہ صاحب رحمانی صاحب مرعاۃ المفاتیح فی شرح مشکوٰۃ المصابیح، مولانا سکندر علی ہزاروی اور ادیب عربی علامہ عبدالغفور بسکوہری کے اسمائے گرامی شامل ہیں۔

حلیہ:۔ باریش کتابی چہرہ، سانولا رنگ، متوسط قد، بالوں و لباس سے بے پرواہ، ہاتھ میں عصا دیکھنے پر مجذوب ہونے کا شبہ، یہ تھے ہمارے ممدوح مفسر قرآن مولانا عبدالقیوم رحمانی۔

تحریک آزادی ہند میں شمولیت:۔ بقول مولانا ابوالبرکات صاحب حفظہ اللہ آپ دارالحدیث رحمانیہ دہلی میں ایام طالب علمی ہی سے سیاست سے دلچسپی رکھتے تھے اور پوشیدہ طور سے سیاسی جلسوں میں جایا کرتے تھے، وہیں پر بڑے بڑے لیڈران قوم کی تقریروں کے ذریعہ آپ کے اندر چنگاری سلگ گئی جو تکمیل تعلیم کے بعد شعلہ کی شکل میں ظاہر ہوئی، انگریزوں کی

چیرہ دستیوں اور ہندوستانی عوام پر ان کی ظالمانہ کارروائیوں کے خلاف آپ خم ٹھونک کر تحریک آزادی میں کود پڑے اور اپنی بساط کے مطابق ملک کو انگریزوں کی غلامی سے نجات دلانے کی لڑائی لڑتے رہے۔

جب گاندھی جی نے ''انگریزو بھارت چھوڑو'' کا نعرہ دیا تو مولانا پورے طور سے تحریک آزادی میں شامل ہو گئے، انگریزی حکومت نے اس پاداش جرم میں آپ کو گرفتار کر کے بستی جیل میں ڈال دیا پھر ۲۲؍اگست ۱۹۴۲ء تا ۲۲؍مئی ۱۹۴۳ء نینی الہ آباد جیل میں رکھا گیا، جیل کے زمانے میں مولانا کو لال بہادر شاستری، فیروز گاندھی، حضرت مولانا حسین احمد مدنی، پنڈت سندر لال، مظفر حسین، ڈاکٹر کاٹجو، پرشوتم داس ٹنڈن، بشمبھر دیال، کملا پتی ترپاٹھی جیسی اہم شخصیتوں کے ساتھ رہنے اور ملنے جلنے کا موقع ملا۔

میدان سیاست میں :۔ آزادی ہند کے بعد آپ کی سرگرمیوں کے احوال پردہ خفا میں ہیں کیونکہ آپ پروپگنڈہ اور نمائش کے آدمی بالکل نہیں تھے اور نہ ہی اپنی شخصیت کو مشتہر کرنے کی طرف دھیان دیتے تھے بہر حال ۱۹۶۰ء کے بعد یوپی اسمبلی کے کسی الیکشن میں آپ نے آزاد امیدوار کی حیثیت سے حصہ لیا تھا لیکن کامیابی ہاتھ نہ آسکی تھی غالباً اس کی وجہ یہ رہی ہوگی کہ انتخاب جیتنے کے لئے جن اوچھے ہتھکنڈوں کو امیدوار اپناتے ہیں آپ انہیں اپنانا تو کیا ان کو سوچ بھی نہیں سکتے تھے، کیونکہ آپ ایک عالم دین اور شریف النفس انسان ہونے کے ساتھ ساتھ بااصول سیاست کے آدمی تھے دیگر اینکہ اس زمانے میں کانگریس کا بول بالا تھا، لوگ اسی پارٹی کو عوام کی نمائندہ پارٹی سمجھتے تھے بالخصوص مسلمان تو اسی کو اپنا نجات دہندہ خیال کرتے تھے، ایسے میں آزاد امیدوار کی حیثیت سے الیکشن جیتنا کارے دارد۔

کانگریس پارٹی سے تعلق :۔ گو کہ مولانا کے تعلقات جواہر لال نہرو، لال بہادر شاستری، کیشو دیو مالویہ جیسے اہم کانگریسی لیڈران سے رہے لیکن آزادی کے بعد پارٹی سے

تعلق مستحکم طور سے قائم نہ رہ سکا غالبًا اسکی وجہ کانگریسی لیڈران کی موقع پرستی اور تنگ نظری کی سیاست رہی ہوگی، کانگریس پارٹی جو اپنے کو سیکولرزم کی علم بردار کہتی آرہی ہے اور اسکے اسی نظریہ کی بنیاد پر اسکے زیر علم، ہندو، مسلم، سکھ، عیسائی، پارسی سبھی مذاہب کے لوگ جمع تھے، وہ اپنے اس دعوے میں کھری نہیں اتری بلکہ دوغلی سیاست اور منافقت کی خو بو اس میں ہمیشہ موجود رہی اور یہ کوئی آزادی کے بعد کی بات نہیں بلکہ آزادی کے پھل کا مزہ چکھنے سے پہلے ہی اس کی یہ خام پالیسی تھی، جس کا رونا مولانا ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ نے ''انڈیا ونس فریڈم'' نامی اپنی کتاب میں رویا ہے اور سیکولرزم کے خلاف رونما ہونے والے واقعات پر تنقید کی ہے، یہی سبب رہا ہوگا کہ آپ پارٹی لیڈر کی حیثیت سے اس سے کنارہ کش رہے اور پھر سیاست کی گلی تو گندگی سے پٹی پڑی ہے جس کی وجہ سے وہ سیاست ہی سے الگ ہو گئے، جب بات الیکشن میں تائید وحمایت کی آتی تو حسب موقع رائے قائم فرماتے تھے۔

حب الوطنی اور قومی سالمیت :۔ آپ ایک سچے محبّ وطن تھے اسلام نے اسی کی تعلیم دی ہے، فرقہ پرست عناصر اور گنگا جمنی تہذیب کے دشمنوں کے یہاں اس کا کوئی غلط مفہوم ہے جس کی وجہ سے وہ ہر کلمہ گو کو دیس مخالف کہتے ہیں، بہر حال مولانا ایک سچے پکے مسلمان کی حیثیت سے ملک کی تعمیر وترقی اور امن وخوشحالی کے خواہاں تھے، اس کی سب سے بڑی اور روشن دلیل جدوجہد آزادی میں آپ کی حصہ داری ہے، ایک ایسے وقت میں جبکہ ترنگا جھنڈا لہرانا اور آزادی کی بات کرنا انگریز حکمرانوں کی نظر میں ناقابل معافی جرم بلکہ قابل گردن زدنی جرم تھا، اس جرم کی پاداش میں نہ معلوم کتنے لوگوں کو اپنی زندگیوں سے ہاتھ دھونا پڑا اور نہ معلوم کتنے جیالوں کو کالا پانی کی سزا بھگتنی پڑی، ایسے خطرناک حالات میں ظالم انگریزوں کے خلاف آواز بلند کرنا اور انہیں ہندوستان سے باہر نکال بھگانے کی بات کرنا سچے محبّ وطنوں کا کام ہو سکتا ہے۔

وطن کے ساتھ سچی محبت ہی تھی کہ انہوں نے مسلم لیگ کے دوقومی نظریہ کو ٹھوکر مار کر امام

الہند مولانا ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ کے قومی یکجہتی نظریہ پر کاربند رہے، مفسر قرآن رحمہ اللہ قومی سالمیت کے پرزور حامی ووکیل تھے، وہ علاقائی پارٹیوں سے جولسانی یانسلی بنیادوں پر قائم ہیں ان سے سخت بیزار تھے اورانہیں سالمیت کے لئے سم قاتل خیال کرتے تھے، چنانچہ میں نے بعض مواقع پر ان کو تلگودیشم پارٹی اور آسام گن پریشد وغیرہ پر تنقید کرتے سنا ہے کہ یہ پارٹیاں ملک کے شیرازہ کو منتشر کرنا چاہتی ہیں جس سے ملک کی تعمیر وترقی خطرے میں پڑسکتی ہے۔

میدان دعوت میں :۔ تعلیم سے فراغت کے بعد آپ کی دعوتی سرگرمیوں کا کچھ پتہ نہیں چلتا ہے ممکن ہے گاؤں میں خطبات جمعہ وعیدین دیتے رہے ہوں لیکن کوئی قابل ذکر سرگرمیاں نہیں تھیں اور نہ ہی کسی قابل ذکر عالم وخطیب کی حیثیت سے عوام وخواص میں آپ متعارف تھے، ۱۹۶۸ء سے آپ میدان دعوت میں اترے اور زندگی کے آخری ایام تک اسی میں رہ گئے اس اثناء میں آپ نے ملک کے دور دراز علاقوں بالخصوص، یوپی، بہار، بنگال، جھارکھنڈ اور ممبئی و مہاراشٹر کے جلسوں میں لمبی لمبی تقریریں کیں جس سے میدان خطابت میں نہ صرف چھا گئے بلکہ اس قدر مقبول ہوئے کہ سکہ رائج الوقت ٹھہرے اور آپ کی شرکت جلسوں میں کامیابی کی ضمانت خیال کی جانے لگی۔

آپ کی خطابت کا آغاز :۔ جیسا کہ سطور بالا میں لکھا جاچکا ہے کہ بحیثیت خطیب ومقرر آپ کا پہلے کوئی ذکرنہیں تھا، ۱۹۶۸ء سے آپ کی خطابت کا آغاز ہوااور وہیں سے شہرت ملی ہے، سن مذکور میں ریاستی جمعیت اہل حدیث یوپی کی جانب سے تلسی پور میں ایک عظیم الشان کانفرنس منعقد ہوئی تھی جس میں جماعت کے اکابر علماء کرام مثلاً خطیب الاسلام علامہ عبدالرؤف رحمانی جھنڈانگری، مفکر ملت مولانا عبدالجلیل رحمانی اور مولانا عبدالمبین منظر رحمہم اللہ کے ساتھ ساتھ کشمیر تک کے افاضل علماء شریک تھے، کانفرنس اپنے انتظام وانصرام اور علماء وحاضرین کی تعداد کے لحاظ سے آل انڈیا پیمانہ کی تھی، اس کانفرنس میں مولانا عبدالقیوم رحمانی نے ایک پرجوش وپر

مغز خطاب فرمایا تھا اس وقت آپ کے خطابت کا جوہر کھلا اور اخوان جماعت نے دیکھا کہ ہمارے درمیان ایک عظیم خطیب ومقرر موجود ہے اس وقت سے زبانوں پر آپ کی خطابت کے تذکرے ہونے لگے، اس کے بعد ۱۹۶۹ء میں حضرت مولانا عبدالجلیل رحمانی رحمہ اللہ نے اپنے مدرسہ دارالعلوم ششہنیاں کے جلسہ میں مدعو کیا، اسوقت مدرسہ مذکورہ کے تحت بڑے دھوم دھام سے سالانہ اجلاس ہوا کرتے تھے جس میں ملک کے چیدہ چیدہ نامور خطباء ومقررین مدعو کئے جاتے تھے اور قرب وجوار سے سامعین کی بڑی تعداد حاضر ہوتی تھی، مولانا نے اس جلسہ میں سیرت امام احمد بن حنبل پر زبردست تقریر فرمائی تھی اور دوران خطاب وقفہ بوقفہ ''زندہ باد اے ابن حنبل زندہ باد'' کا خود نعرہ لگاتے تھے، اس وقت سے آپ کی تقریروں کی دھوم مچ گئی، میں دارالعلوم ششہنیاں میں جماعت اولیٰ کا طالب علم تھا، وہ تقریر میں نے خود سنی تھی، اس کے بعد تو تمام قابل ذکر جلسوں میں آپ کی مانگ ہونے لگی۔

مفسر قرآن کا خطاب:۔ قطعی وحتمی طور سے مجھے معلوم نہ ہوسکا کہ اوّل اوّل مفسر قرآن کا لقب انہیں کس نے اور کب دیا البتہ میری واقفیت کی حد تک ان کے لئے اس لقب کا استعمال سب سے پہلے حضرت مولانا عبدالجلیل رحمانی رحمہ اللہ نے دارالعلوم ششہنیاں کے عظیم الشان اجلاس میں یہ کہتے ہوئے کہا تھا کہ مولانا عبدالقیوم صاحب دوران خطاب اس کثرت سے آیات کی تلاوت اوران کا ترجمہ وتفسیر کرتے اوران کے معنی ومطالب ایسے ڈھنگ سے بیان کرتے ہیں کہ اگر ان کو مفسر قرآن کا خطاب دیا جائے تو بے جانہ ہوگا، ہم طلبہ کے کانوں نے یہ لقب ان کے لئے پہلی مرتبہ سنا تھا، پھر تو یہ آپ کے نام کا سابقہ کیا بلکہ جز بن گیا، اور ہمیشہ جلسوں کے اشتہارات میں آپ کے ساتھ مفسر قرآن لکھا جانے لگا۔

تفسیری بصیرت : مفسر قرآن نے کلام الٰہی کا مطالعہ بڑی گہرائی سے کیا تھا، اور بکثرت قرآن کریم کی تلاوت کیا کرتے تھے، اسی لیے آیات کا بڑا زبردست استحضار تھا جس کا

مشاہدہ بوقت تقریر اور بوقت گفتگو ہوتا تھا، مفردات کے معانی، الفاظ و آیات کے مطالب اور مختلف المعانی الفاظ کا مطلب سیاق کلام میں کیا ہے، ان سب پر ان کو بڑی مہارت حاصل تھی، لغات کے معانی اکثر امام راغب اصفہانی کے حوالے سے بیان کیا کرتے تھے، ترجمہ میں شاہ رفیع الدین دہلوی کا حوالہ دیا کرتے تھے، وہ بذات خود مشکل ترین الفاظ کا ترجمہ نہایت عام فہم اور سادہ زبان میں کیا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ''مخاطب کے ذہنی معیار کا لحاظ ہونا چاہیے میر و غالبؔ کی نستعلیق اردو اور لکھنؤ و دہلی کی زبان دیہاتی لوگوں کے پلے نہیں پڑتی ہے، ایک مرتبہ جہیز کے خلاف تقریر کرتے ہوئے انھوں نے اسٹیج پر تشریف فرما علماء سے دریافت کیا کہ ﴿اِن خیرَ منِ استَاجرتَ القوی الامین﴾ کا ترجمہ کیا کرو گے؟ بعض علماء نے فصیح ترجمہ کر دیا، آپ نے فرمایا کہ لکھنؤ میں نہیں بیٹھے ہو یہ ترائی کا علاقہ ہے دیہاتی ترجمہ کرو اور آپ نے ''قوی'' کا ترجمہ ''چیمر'' سے کیا، اسی طرح ایک مرتبہ ﴿کنا مستضعفین فی الارض﴾ کا ترجمہ ''لت مروا'' سے کیا، ﴿اسکنوا هن حیث سکنتم﴾ کا ترجمہ کیا کرتے تھے ''جہاں بسو ہیں اپنی بیویوں کو بساؤ'' یہ ترجمے دیہاتی زبان کے ترجمے ہیں۔

تقریر کا انداز: مولانا موصوف پہلے کھڑے ہو کر تقریریں کیا کرتے تھے لیکن کبر سنی کے باعث کمزوری آ گئی تو بیٹھ کر تقریریں کرنے لگے، آپ دورانِ خطاب بکثرت آیاتِ قرآنی کی تلاوت کرتے، تلاوت کا ایک خاص انداز تھا جو انہیں کے لیے مخصوص تھا، تلاوت کرتے تو سماں بندھ جاتا، ہر سامع ٹکٹکی باندھ کر دیکھتا، ترجمہ و مطلب سمجھاتے ہوئے ایسے نکات بیان کرتے اور ایسے علمی پہلوؤں کو کھولتے کہ لگتا کہ اس سے پہلے یہ مطلب کسی نے نہیں سمجھایا تھا، آپ کی تقریر کا محور توحید ہوا کرتی تھی، اکثر آپ اسی موضوع کو سمجھاتے اور الحمد للہ رب العالمین پڑھ کر اللہ کی ربوبیت کاملہ کی اس طرح تشریح کرتے کہ سامعین عش عش کر اٹھتے، زندگی گذارنے کے لئے شکم مادر سے لے کر آخری ایام تک اللہ نے جو اسباب فراہم کئے ہیں انہیں بلیغ، موثر اور خوبصورت

ڈھنگ سے کہتے، مثلاً ہوا کی فراوانی، شیریں پانی کا ذخیرہ، مختلف جنس کے غلّے، طرح طرح کے پھل اور جسم کی ساخت و پرداخت پر ایسی روشنی ڈالتے کہ ہر کس و ناکس کے اندر اللہ کے لئے جذبات شکر وسپاس ابھر جائیں اور پھر یہیں سے بندوں کو اللہ کی بندگی کی طرف بلاتے۔

دراصل ایک طرح سے آپ مولانا ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ کی فکر کے حامل تھے، آپ کے بیانات میں مولانا آزاد کی تفسیر سورۂ فاتحہ باسم "ام الکتاب" کی جھلک نمایاں رہتی تھی۔

اسی طرح اصلاح معاشرہ پر خطاب کرتے ہوئے آیات قرآنی کی ہدایات بیان کرنے کے ساتھ معاشرتی برائیوں کی نشاندہی کرتے ہوئے ان کا خوب پوسٹ مارٹم کرتے ہوئے اوران کے سماجی وجسمانی مضر اثرات سے آگاہ کرتے، بالخصوص نئی نسل کو سنیما بینی، ٹی وی، آوارگی، فحاشی اور عریانی کے مفاسد سے ڈراتے اور انہیں اسلامی اخلاق و عادات اور دینی طرز معاشرت اختیار کرنے کی تاکید فرماتے، عیوب گنانے اور ڈرانے کا ان کا اپنا خاص اسلوب تھا، جس سے تقریر میں بڑی لذت اور چاشنی پیدا ہو جاتی اور نوجوان گالیاں کھا کر بھی بے مزہ نہ ہوتے تھے۔

تحریری خدمت:۔ تحریر کی طرف ان کی خاص توجہ نہ ہوسکی اسی لئے خاص قلمی یادگار اپنے پیچھے نہیں چھوڑا پھر بھی دو ایک رسالے ان کے قلم سے نکلے، ایک رسالہ جسے میں نے دیکھا ہے اس میں متقدمین کی طرز پر ایک عنوان قائم کر کے متعلق آیات اس کے تحت جمع کیا ہے اور مختصر انداز میں ان کا ماحصل اور ثابت شدہ حکم درج کیا ہے، اب مجھے اس رسالہ کا نام یاد نہیں رہا۔

جماعتی و ملی خدمات:۔ مسلمانوں کی نئی نسل کو سیکولرزم اور لادینی تعلیم کے سیلاب اور مغربی اور خدا بیزاری ملحدانہ افکار اور نظریات سے محفوظ رکھنے اور انہیں ابتدائی دینی تعلیم سے روشناس کرانے اور اپنے مذہب و عقیدے سے لگاؤ رکھنے اور قومی و مذہبی شعور بیدار کرنے کی خاطر قاضی محمد عدیل عباسی مرحوم نے جو دینی تعلیمی کونسل بنائی تھی اس کے ماتحت اضلاع میں انجمن تعلیمات دین کے نام سے یونٹیں قائم کی تھیں، مولانا اس تعلیمی تحریک کے حامی و

معاون رہے اور قاضی محمد عدیل عباسی رحمہ اللہ کے شانہ بشانہ دیگر علماء اہل حدیث کے ساتھ مل کر چلتے رہے، اب یہ تحریک کمزور پڑ چکی ہے ماضی قریب میں اس کے بڑے اچھے اثرات ظاہر ہو رہے تھے۔ مولانا محترم ایک مدت تک جامعہ سراج العلوم جھنڈا نگر کی مجلس عاملہ کے صدر رہے اور اس طور سے جامعہ کے فروغ و استحکام میں مناسب مشورے اور رہنمائی فرماتے رہے۔ اسی طرح آپ مسلم ہائر سکنڈری اسکول ''مہدیا'' (نوگڈھ) اور گاندھی آدرش ودیالیہ انٹر کالج بڑھنی کے بھی مدت تک ممبر رہے۔

اعزازات:۔ جنگ آزادی میں حصہ لینے اور اس کی پاداش میں قید و بند کی صعوبت جھیلنے کی وجہ سے آپ کا نام مجاہدین آزادی میں شامل تھا، آپ کو گورنمنٹ آف انڈیا کی طرف سے مجاہد آزادی کا کارڈ ملا ہوا تھا اور وہ تمام سرکاری سہولیات آپ کو حاصل تھیں جو مجاہدین آزادی کو حاصل ہیں مثلاً گذارہ بھتہ (پنشن) ریلوے A.C. کوچ میں مع ایک رفیق سفر کی مفت سہولت وغیرہ۔

مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کی ۲۸ رویں آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس بمقام پاکوڑ جھارکھنڈ (منعقدہ ۱۳/۱۴/۱۵ رمارچ ۲۰۰۴ء) کے موقعہ پر آپ کا نام نامی ان منتخب باوقار شخصیات میں شامل تھا جنہیں قابل قدر دینی خدمات کے صلہ میں اعزاز بخشا گیا تھا، چنانچہ موصوف کو توصیفی سند اور گراں قدر نقد رقم سے نوازا گیا تھا۔

اخلاق و عادات :۔ مولانا رحمہ اللہ سادگی اور بے نفسی کا نمونہ تھے، ان کا رہن سہن بالکل درویشانہ تھا، وضع قطع میں کروفر شان وشوکت کا کوئی شائبہ تک نہ ہوتا تھا، معمولی قسم کا کھادی کرتہ پائجامہ زیب تن کرتے، سر پر معمولی کپڑے کی ٹوپی یا پگڑی، اپنی شخصیت کو چمکانے اور نمایاں کرنے کی طرف کوشش تو کیا شاید کبھی دھیان نہ آیا جہاں جگہ ملی بیٹھ گئے، ہر کس و ناکس کو دستیاب ہو گئے، کم سخنی و کم گوئی خمیر میں داخل، ذکر و فکر میں مشغول، جلسوں میں قیام و طعام سے متعلق کوئی

فرمائش نہیں، حسب موقعہ ٹرین، بس، جیپ جو بھی ذریعہ سفر ملا اس سے سفر کر لیا، کوئی ذریعہ نہیں ملا تو پیدل رواں دواں وہ بھی کئی کئی کلومیٹر، چنانچہ شیخ الحدیث علامہ عبید اللہ رحمانی رحمہ اللہ کی شدید علالت اور تشویشناک حالت کی خبر پا کر جب سراجی قافلہ ان کی عیادت کر کے بذریعہ بس واپس لوٹ رہا تھا تو مبارکپور قصبہ سے باہر دیکھا گیا کہ مفسر قرآن جنوری کی سرد رات میں ۱۰ بجے پیدل خراماں خراماں چلے جا رہے ہیں، بس روک کر ملاقات کے بعد دریافت کیا گیا کہ جنوری کی سرد رات میں کہاں؟ جواب دیا کہ اپنے استاد گرامی کی عیادت کے لئے جا رہا ہوں، اللہ اکبر! یہ ہمت اور یہ جفاکشی، سرد رات تنہا پیدل سفر، داد دیجئے ان کی اس ہمت پر اور بار بار داد دیجئے، ان کی ہمت اور محبت استاد کے پرخلوص جذبہ کو۔

ملاقات ہوتی تو فوراً توحید کی بات، توحید کے رموز اور نکات کی بات کرتے اور کبھی کبھی عربی میں گفتگو کرنے لگتے، بیجا گفتگو، لغو اور زائد از کار کلام سے دور، کوسوں دور، معروف کا حکم اور منکر کی بے لاگ نہی، یہ تھا مفسر قرآن کا اخلاق اور ان کی سیرت کا نہایت درخشاں پہلو ؎

ایسے کہاں ملیں گے تمہیں نیک طبع لوگ
افسوس تم کو میرؔ سے صحبت نہیں رہی

عرب فضلاء کو سند اجازہ:۔ مفسر قرآن رحمہ اللہ کو شیخ الحدیث مولانا احمد اللہ پرتاب گڈھی کا شاگرد ہونے اور ان سے روایت حدیث کرنے کا شرف حاصل تھا اس طرح وہ بیک واسطہ شیخ الکل فی الکل سید نذیر حسین محدث دہلوی رحمہ اللہ سے روایت کرتے تھے آپ کے ذریعہ روایت سند عالی کا درجہ رکھتی ہے، عرب فضلاء کو سند عالی کے حصول کا بڑا جذبہ ہے، وہ اس کی تلاش میں رہتے ہیں، چنانچہ اسی جذبہ سے بہت سے فضلاء عرب نے خطیب الاسلام علامہ جھنڈا نگری رحمہ اللہ سے اجازت حدیث حاصل کی جن کی ایک طویل فہرست ہے ان میں سرفہرست مسجد نبوی کے امام وخطیب فضیلۃ الشیخ علی بن عبد الرحمٰن الحذیفی، علامہ ناصر الدین البانی کے نامور

شاگرد جامعہ الامام محمد بن سعود الاسلامیہ ریاض کے پروفیسر ڈاکٹر عاصم القریوتی ،فضیلۃ الشیخ علی الشبل اور مسجد جربوع مدینہ منورہ کے امام فضیلۃ الشیخ حامد محمد اکرم المدنی کا نام شامل ہے، بہر حال جب ان کو مفسر قرآن کے بارے میں یہ بات معلوم ہوئی تو ان میں سے فضیلۃ الشیخ زیاد سبقت کرتے ہوئے ۲۰۰۵ء میں فضیلۃ الشیخ عبد القدوس حفظہ اللہ کی رہنمائی و مشورے سے مرکز تحفیظ القرآن نوگڈھ تشریف لائے اور تقریباً ایک ماہ قیام کر کے مولانا سے حدیث پڑھتے رہے، بیشتر ایام دونوں لوگ مرکز مذکور میں رہے اور چند ایام کے لئے دودھونیا و بڑھنی میں بھی آ کر استفادہ کیا پھر ان کی توجہ سے آپ نے سعودی عرب و کویت کا سفر کیا جہاں دیگر بہت سے حضرات نے روایت حدیث کی سند اجازت لی، ان میں سب سے اہم نام مسجد نبوی کے امام و خطیب فضیلۃ الشیخ علی بن عبد الرحمٰن الحذیفی حفظہ اللہ کا ہے۔

کچھ یادیں :- یہ کج مج خامہ فرسائی نامکمل و ادھوری رہ جائے گی اگر ان کے ساتھ کچھ یادوں کو حوالہ قلم و قرطاس نہ کردوں جو میرے حافظے میں حسین یادوں کی حیثیت سے محفوظ ہیں، میں ان کے نام سے واقف اور صورت سے آشنا ۱۹۷۶ء ہی سے تھا اور دور طالب علمی میں بارہا ان کی تقریریں سننے اور ان سے محظوظ و مستفید ہونے کا موقعہ ملا تھا لیکن اکتوبر ۱۹۷۸ء سے جامعہ سراج العلوم السلفیہ، جھنڈانگر میں مدرسی کے آغاز سے لے کر ان کی وفات تک نہ معلوم کتنی بار ان کی تقریریں سننے اور کم از کم ڈیڑھ درجن جلسوں میں ان کی صدارت یا موجودگی میں خطاب کرنے کا موقعہ ملا ہے جہاں ان کی ہمت افزائی یا لطیف تنقید کے ذریعہ اصلاح کا فائدہ ملا۔

ایک مرتبہ علاقہ مٹکا کے ایک اجلاس میں خطاب کرتے ہوئے میں نے فقہ کے بعض اختلافی مسائل کا ذکر ضمناً کر دیا، میرے بعد فوراً ہی مولانا کا خطاب تھا، انہوں نے دین فہمی و عمل کی باتیں کرتے ہوئے کہا کہ عوام کو اس کی ضرورت ہے، یہ مدرسہ سراج العلوم جھنڈانگر کا درس نہیں ہے، اسی طرح بہرائچ کے گھنٹہ گھر میں ایک اجلاس ہو رہا تھا جس میں خطباء کی فہرست میں ان کے

ساتھ میرا بھی نام شامل تھا، پہلے میری تقریر ''عظمت صحابہ'' کے موضوع پر ہوئی اس کے بعد ایک نامی گرامی مقرر نے خطاب کیا جس میں انہوں نے لوائح جامی کے چند اشعار جو عاشقانہ رنگ میں تھے پڑھا، جب مفسر قرآن کی باری آئی تو انہوں نے چند آیات کی تلاوت و ترجمہ و مطلب کے بعد فرمایا کہ عوام کو اس کی ضرورت ہے چھوڑ و لوائح جامی کے اشعار کو۔

۲۰۰۶ء میں انجمن محمدیہ جروا روڈ تلسی پور کے ایک اجلاس میں میں نے مفسر قرآن کی صدارت میں قبر پرستی کے رد پر خطاب کیا جس میں ضمنی طور سے زیارت قبر نبوی کے مسئلہ کو بھی لایا، میرا وہ انداز ان کو پسند نہیں آیا، چنانچہ بعد خطاب میرے کان کے پاس آہستہ سے کہا کہ ایسا مت بیان کیجئے، اور پھر کھڑے ہو کر میرے بعض بیانات کو مزید نکھارا۔

مئی ۲۰۰۷ء میں برڈ پور کے نزدیک موضع پرسا مدرہنا کے جلسہ میں شرکت کے لئے پہنچا مولانا وہاں پہلے سے ہی موجود تھے، علیک سلیک کے بعد فوراً مجھ سے کہا کہ اپنے مدرسہ کے مولویوں کو سمجھائیے، آپ کے ایک مدرس نے بیر ہوا کی مسجد میں یاد موت پر تقریر کرتے ہوئے چکبست کا شعر پڑھ کر موت کی حقیقت سمجھایا ہے، جبکہ یہ شعر موت کے اسلامی عقیدے کے خلاف ہے وہ شعر یہ ہے ؎

زندگی کیا ہے عناصر میں ظہور ترکیب

موت کیا ہے انہیں اجزاء کا پریشاں ہونا

مولانا کی بات سن کر میں دنگ رہ گیا اور ان کی فکری گہرائی و باریک بینی پر تحسین و آفرین کے کلمات زبان پر آ گئے۔

ایک مرتبہ موضع ٹیسم کے ایک اجلاس میں ہم چند اساتذہ جامعہ شریک تھے، مولانا کی صدارت تھی، پروگرام شروع ہوا، تلاوت کے بعد ایک نئے فارغ التحصیل عالم نے ہماری کتاب پنجم میں درج ایک حمد پیش کرتے ہوئے جوں ہی پڑھا ''بے آنکھ سب کو دیکھے بے کان سب کی سن

لے" مولانا نے اپنی جگہ سے اٹھ کر انکا ہاتھ پکڑ کر مائک سے ہٹا دیا اور بولے "چل رے بابو چل" قرآن تو فرماتا ہے (واصنع الفلك باعيننا) اور فرمایا (ولتصنع على عيني) نیز (و هو السميع البصير) اور تم پڑھتے ہو بے آنکھ سب کو دیکھے بے کان سب کی سن لے، اسی کے ساتھ آپ نے اسماء وصفات الٰہی پر خطاب شروع کر دیا اور معتزلہ فلاسفہ کا بلیغ رد فرمایا۔

مولانا اپنی دینی بصیرت اور دعوتی خدمات و کارناموں نیز دیگر اوصاف و امتیازات کی بنا پر ممتاز شخصیت کے مالک تھے اور عوام و اہل علم کے نزدیک مرکز عقیدت و لائق احترام و محبت تھے، ہم سب کو آپ کے وجود مسعود پر بجا طور پر ناز تھا اور جماعت و ملت کے احباب ان کے سایہ عاطفت میں سکون و اطمینان محسوس کرتے تھے، آپ کی رحلت سے صرف آپ کا کنبہ اور اولاد و احفاد ہی نہیں بلکہ پوری جماعت اہل حدیث و ملت اسلامیہ ایک مخلص سرپرست، غیور و قناعت پسند عالم و داعی و خطیب سے محروم ہوگئی، آپ کی جدائی پورے ملک کا ناقابل بیان نقصان ہے۔

اللہ رب العالمین سے بصمیم قلب دعا ہے کہ مالک تو اپنے کلام عزیز کے مفسر اور اس کے بیان و تبیین کے ذریعہ مردہ دلوں اور سوکھی روحوں کو تیرے فضل سے زندگی و تر و تازگی بخشنے والے، ضلالت و جہالت کی تاریکیوں میں قندیل قرآنی روشن کرنے والے بندے کو اپنی رحمتوں کے سایہ میں ڈھانپ لے اور ان کے اعمال و حسنات کو شرف قبولیت سے نواز کر جنت الفردوس میں انہیں جگہ عطا فرما۔ (آمین)

وصلى الله علىٰ عبده و رسوله محمد و علىٰ آله و صحبه و سلم تسليماً كثيراً۔

☆ ☆ ☆

حیات رحمانی کے چند درخشاں پہلو

مولانا عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی
استاد جامعہ رحمانیہ کاندیولی ممبئی

مختصر سوانحی خاکہ

☆ تاریخ پیدائش : ۲۰ جنوری ۱۹۲۰ء

☆ مقام ولادت : آبائی وطن دودھونیاں بزرگ بمقام ڈھبروا، پوسٹ بڑھنی بازار سدھارتھ نگر، یوپی۔

☆ خاندانی پس منظر: مجھولی اسٹیٹ (دیوریا) کے راجا بودھ مل جو بعد میں مسلمان ہو گئے تھے اور محمد سلیم نام رکھا تھا آپ کے پرداداؤں میں شمار ہوتے ہیں۔انہیں کے نام سے دیوریا میں سلیم پور قصبہ اور ریلوے اسٹیشن آج بھی موجود ہے۔

☆ تعلیم وتعلم : آپ کی ابتدائی تعلیم آپ کے گاؤں اور پڑوس کے پرائمری اسکول مقام سیورا میں ہوئی اور اس کے بعد عربی درجات کی ابتدائی تعلیم جامعہ سراج العلوم السّلفیہ جھنڈانگر اور جامعہ اسلامیہ فیض عام مئو میں ہوئی اور تقسیم ہند سے پہلے دار الحدیث رحمانیہ (مشہور علمی درسگاہ) میں داخل ہوئے اور ۱۹۴۰ء میں فضیلت کی سند پا کر فارغ التحصیل ہوئے۔

☆ اساتذہ : (۱) مولانا عبیداللہ رحمانی مبارک پوری (۲) شیخ الحدیث مولانا احمد اللہ پرتاب گڈھی (۳) مولانا نذیر احمد املوی (۴) مولانا سکندر علی ہزاروی (۵) مولانا سعید احمد اکبر آبادی وغیرہم۔

☆ دار الحدیث رحمانیہ کے سالانہ میگزین کی شہادت: دار الحدیث رحمانیہ کے سالانہ میگزین میں ۱۹۳۸ء میں آپ کے متعلق یہ واقعہ درج ہے کہ پانچویں جماعت کے ایک طالب علم

عبد القیوم بستوی کو ترمذی شریف کی حدیثیں یاد ہیں اساتذہ نے کتاب منگوا کر ترمذی شریف کی حدیثیں سننا شروع کردیں تو جہاں سے بھی پوچھا مولانا نے زبانی سنا دیا۔ (محدث ررحمانیہ دہلی :ص :۷،۳۴نومبر ۱۹۳۸ء)

☆ **تحریک آزادی ہند سے مولانا کی وابستگی** : جس وقت آپ تعلیم سے فارغ ہوئے تو پورے ملک ہندوستان میں انگریزوں کے خلاف آزادی کی تحریک شروع ہوچکی تھی اور اس کے نتیجہ میں آندولن کرنے والوں کو طرح طرح کی سزائیں دی جارہی تھیں۔ تحریک آزادی کو آگے بڑھانے کے لئے جب مہاتما گاندھی نے انگریزو! بھارت چھوڑ دو! کا نعرہ لگایا تو مولانا بھی اس تحریک میں گاندھی کے ساتھ شریک ہوگئے۔ جس کی وجہ سے انگریزوں نے آپ کو آبائی وطن سے گرفتار کرلیا اور بستی جیل میں ڈال دیا اور پھر وہاں سے گورکھپور جیل اور الہ آباد نینی جیل بھیج دیا جہاں آپ ۲۲/۸/۱۹۴۲ء سے ۲۳/۵/۱۹۴۳ء تک قید و بند کی صعوبتیں جھیلتے رہے۔

نینی جیل میں آپ کے ساتھ لال بہادر شاستری، فیروز گاندھی، مولانا حسین احمد مدنی اسیر مالٹا، پنڈت جواہر لال نہرو، مظفر حسین، ڈاکٹر کاٹجو، پرشوتم داس ٹنڈن، دشمبھر دیال، پنڈت کملا پتی ترپاٹھی وغیرہ آزادی کے محرک تھے۔ مولانا حسین احمد مدنی نے اپنی کتاب "نقش حیات" میں مولانا عبد القیوم صاحب رحمانی کا تذکرہ بہترین انداز میں کیا ہے۔ مولانا کو ایک بار لکھنؤ جیل میں بھی نظر بند رکھا گیا۔

اور اس طرح قید و بند کی صعوبتوں کو جھیلتے ہوئے تحریک آزادی کے ان جیالوں نے ہندوستان کو انگریزوں سے آزاد کروالیا اور بھارت واشیوں کو ان کے ظلم و جبر سے نجات دلائی۔

آزادی کے بعد مولانا کی علمی وسماجی سرگرمیاں :

(۱) ۱۹۴۶ء میں بڑھنی میں گاندھی آدرش ودیالیہ کا قیام جسے ۱۹۴۸ء ہائی اسکول اور بعد میں انٹر کالج کے طور پر تسلیم کرلیا گیا۔ اور آج بھی یہ انٹر کالج جاری وساری ہے۔ آپ ایک زمانہ تک

اس کالج کے منتظم کار بھی رہے ہیں۔

(۲) مدرسہ درسگاہ اسلامیہ اکرھرا، بڑھنی سدھارتھ نگر آپ ہی نے قائم کیا۔

(۳) جامعہ سراج العلوم جھنڈا نگر جو پہلے مکتب تھا اسے بڑے ادارے کی شکل دینے میں مولانا کا کافی تعاون رہا اور آپ اس کی وجہ سے لگ بھگ پچیس برسوں تک اس کے صدر بھی رہے۔

(۴) مسلمانوں کے لئے اقلیتی ادارہ کے طور پر ''مسلم ہائر سکنڈری اسکول'' کے نام سے مقام ''مہدیا''، نوگڈھ سدھارتھ نگر میں ایک اسکول کی بنیاد آپ نے ہی ڈالی ہے جو علاقہ کا ایک بے حد مشہور ومعروف اسکول مانا جاتا ہے۔

(۵) مختلف دینی جلسوں وکانفرنسوں میں آپ نے شرکت کی ہے جنکی تعداد سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں سے متجاوز ہے۔

آل انڈیا ایوارڈ : آپ کی علمی ودعوتی خدمات کو دیکھتے ہوئے ۱۳، ۱۴، ۱۵؍ مارچ ۲۰۰۴ء میں جھارکھنڈ پاکوڑ کے مقام پر منعقدہ ۲۸ ویں آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس میں خصوصی طور پر اعزاز و اکرام کے ساتھ علمی ایوارڈ سے نوازا گیا۔

وفات : آپ کی وفات ۲۸؍ مئی ۲۰۰۸ء بروز بدھوار دوپہر کے وقت پی، آئی، جی، ہاسپٹل لکھنؤ میں ہوئی ﴿انا للہ و انا الیہ راجعون﴾۔

اولاد واحفاد : آپ کو اللہ نے پانچ بیٹے اور دو بیٹیوں سے نوازا ہے، بیٹوں کے نام اس طرح ہیں: بدر عالم خان، مسعود عالم خان، حیدر عالم خان، ظہیر عالم خان اور قمر عالم خان۔

تجہیز وتکفین : آپ کی تجہیز وتکفین ۲۹؍ مئی ۲۰۰۸ء بروز جمعرات صبح ۱۰؍ بجے آپ کے آبائی گاؤں دودھونیاں بزرگ میں ہوئی۔ نماز جنازہ میں ایک جم غفیر علماء، طلباء، عوام، سیاسی وغیر سیاسی لیڈران اور کثیر تعداد میں علاقہ وجوار کے غیر مسلم افراد بھی شریک تھے۔ نماز جنازہ جماعت کی

بزرگ شخصیت مولانا عبدالحمید رحمانی صدر مرکز ابوالکلام آزاد نئی دہلی نے پڑھائی۔ کئی دنوں تک تعزیت کرنے والوں کا سلسلہ مولانا کے گھر پر جاری رہا۔

تصنیفات : آپ کی علمی مہارت اور لیاقت کے پیش نظر ہر کس و ناکس کے دل میں یہ بات پیدا ہوتی ہے کہ تفسیر قرآن کے نام سے آپ کی کوئی کتاب ضرور ہوگی مگر مشیت الٰہی کے مطابق تفسیر قرآن میں مہارت تامہ کے باوجود بھی آپ کی اس عنوان پر کوئی کتاب تیار نہ ہوسکی، البتہ بعض کتابیں جن میں تاریخ الیہود والنصاریٰ عربی میں جامعہ رحمانیہ کاندیولی ممبئی کی شائع کردہ موجود ہے۔

غرباء پروری کی داستان بے مثال : بابائے قوم حضرت مولانا عبدالقیوم رحمانی مرحوم کی شخصیت غرباء پروری میں بے مثال تھی، زندگی بھر اپنے علم وعمل کی نورانیت سے سماج ومعاشرے کو منور کرتے رہے اور سنت نبوی کے تقاضوں کے مطابق غرباء نوازی کی داستانیں رقم کرتے رہے جنگ آزادی میں مضبوط حصہ داری اور آزادی کے بعد سیاست سے کنارہ کشی اور پھر دعوت وتبلیغ میں انہماک اور تسلسل کے ساتھ جلسوں اور کانفرنسوں میں شرکت زندگی کا ایک اہم باب ہے بلکہ اگر کہا جائے کہ مولانا مرحوم جلسوں اور کانفرنسوں کے دولہا تھے تو بیجا نہ ہوگا، مولانا کی عام طور پر یہ عادت تھی کہ جلسوں اور کانفرنسوں سے لوٹتے تو اکثر و بیشتر گاؤں کے غریب بچوں کے لئے کچھ نہ کچھ ضرور لاتے، ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ بہار کے کسی جلسہ سے واپس آئے، گھر پر بیٹھے تھے تو آپ سے ملاقات کے لئے گاؤں کا ایک غیر مسلم آپ کے پاس آیا۔ آداب وسلام کے بعد اس کی نگاہ ایک لٹکی ہوئی تھیلی پر گئی پوچھنے لگا کہ بابا اس میں کیا ہے؟ مولانا نے اتارنے کا حکم دیا اور کہا کہ اس میں کئی جوڑی چپل ہیں۔ غیر مسلم نے سوال کیا کہ اتنے ڈھیر سارے چپل کیا کرینگے؟ کہنے لگے کہ جلسے میں گیا تھا راستے میں چپل کی دوکان پر سے خرید لیا، گاؤں کے غریبوں اور مجبوروں کو دے دونگا تم کو بھی ضرورت ہے تو اس میں سے ایک جوڑی لے لو۔ چنانچہ اس غیر مسلم نے بھی ایک جوڑی چپل

لے لیا اور بقیہ گاؤں کے غریبوں میں تقسیم کر دیا گیا۔

یہ تھی غرباء پروری کی مثال اور دردمندی کی داستان جو ہمارے لئے بھی نقش راہ ہے۔ اللہ تعالیٰ مفسر قرآن کو ان کی دردمندی اور غرباء پروری کا بھرپور بدلہ عطا فرمائے۔ آمین

ایک شہد فروش کے ساتھ انسانیت نوازی کا سچا واقعہ : اللہ کے نیک بندوں کی یہی پہچان ہے کہ وہ ایمان و یقین کے ساتھ انسانیت نوازی کے علم بردار ہوتے ہیں۔ سماج اور معاشرہ میں رہنے والے افراد کی دردمندی ان کے دلوں میں موجزن رہتی ہے۔ نبی اکرم ﷺ کی حیات طیبہ میں اس طرح کی انسانیت نوازی اور دردمندی کے واقعات بے شمار ملتے ہیں۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے غار حراء میں فرشتے کی اولین آیات وحی کے ساتھ آمد کے بعد آپ ﷺ کی گھبراہٹوں اور بے چینیوں کا جواب خود اس سے دیا تھا۔ ''کلا واللہ لا یخزیک اللہ ابداً انک لتصل الرحم و تحمل الکل و تکسب المعدوم و تقری الضیف و تعین علی نوائب الحق''۔

اکتساب المعدوم یعنی بے سہارا اور محتاج لوگوں کی کمائی کا ذریعہ بننا اور لوگوں کے دکھ درد میں شریک ہونا انسانیت نوازی کی اعلیٰ ترین سنت نبوی ہے۔ جنگ آزادی کے بطل جلیل اور انبیائی مشن کے وارث عظیم حضرت مولانا عبدالقیوم رحمانی رحمہ اللہ بھی اس کے خوگر تھے۔ گاؤں کے ایک غیر مسلم کی شہادت اس کے لئے کافی ہے۔ واقعہ یوں ہے کہ ایک دن مولانا کے آبائی گاؤں دودھنیاں میں ایک شہد فروش کئی کلو شہد بیچنے آیا، عمومی طور پر آجکل شہد میں ملاوٹ کا عام رواج ہے، بسا اوقات شکر کی چاشنی میں شہد کی مکھیوں اور اس کے چھتے کو ڈال کر لوگوں کو دھوکہ دیا جاتا ہے۔ یہ شہد بھی کچھ اس طرح کا تھا۔ گاؤں کے لوگوں نے اپنے تجربے کے مطابق اس کی اصلیت کا پتہ لگانے کے لئے مختلف نسخے آزمائے، بعض مسخروں نے ماچس کی تیلی جلا کر ایک کاغذ کے اوپر شہد ڈال کر جلایا، وہ غریب اپنا شہد لے کر گاؤں میں گھومتا رہا کوئی اسے نقلی کہتا، کوئی

اسے اصلی ہونے کا جانچ کرتا، ہوتے کرتے یہ شہد فروش مولانا کے دروازہ پر پہنچ گیا۔ تسبیح و تحلیل میں مشغول اللہ کے نیک بندے نے نگاہیں اٹھائیں، پوچھا کیا بیچ رہے ہو؟ بتلایا اور گاؤں کے لوگوں کا ماجرا بھی سنایا اور فریاد کرنے لگا کہ کوئی مجھ غریب کا شہد خریدنے والا نہیں ہے۔ مولانا نے کہا کتنا شہد ہے سب اتار کر مجھے دیدو۔ اس نے وزن کردیا مولانا نے گھر میں سے قیمت ادا کردیا اور نصیحت کی کہ جاؤ اور پھر لے کر آؤ اور بیچ کر اپنے بچوں کی روزی روٹی کا انتظام کرو۔ گاؤں کا غیر مسلم راوی کہتا ہے میں کچھ دنوں بعد گاؤں آیا تھا اتفاقاً اسی دن دل میں یہ بات آئی کہ لاؤ نانا سے ملاقات کرلیں۔ آپ کی خدمت میں حاضری دی تو دیکھا کہ کئی کلو شہد رکھا ہوا ہے اس نے پوچھا کہ نانا یہ شہد کس کا ہے۔ کہنے لگے کہ ایک غریب بیچ رہا تھا اس کے بچوں پر ترس کھا کر میں نے شہد خرید لیا تا کہ اس کے بچے بھوکے نہ رہیں۔ غیر مسلم راوی کہتا ہے کہ سب نے عرض کیا کہ آپ اتنا شہد کیا کرینگے اور وہ بھی مشکوک کہ اصلی ہے یا نقلی۔ کہنے لگے کہ گاؤں کے لوگوں میں سے جسے ضرورت ہوگی لے جائیں گے میرے لینے سے تو اس غریب کے بچوں کا انتظام ہو گیا۔ چنانچہ اس غیر مسلم نے بھی اس میں سے اپنے لئے لیا اور چشم نم کے ساتھ مولانا کی عقیدت واحترام کا یہ واقعہ اور غرباء پروری کی یہ داستان اپنے ذہنوں پر یہ رقم کرتا رہا کہ اللہ کے نیک بندے ہر زمانے میں اسی طرح اپنی زندگی میں صدق وصفا اور ایمان ووفا کی داستانیں رقم کرتے رہے ہیں۔ اللہ ان کو نیک بدلہ عطا فرمائے۔ آمین

ایک داروغہ کو مولانا کی جرأت مندانہ سرزنش : ایمانی غیرت اور جرأت ایک مومن کی شان ہوتی ہے۔ اگر غیرت وحمیت ختم ہوجائے اور جرأت مومن ماند پڑ جائے تو ذلت ورسوائی کا سامنا کرنا پڑتا ہے، مولانا اپنے اسلاف کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ایمانی غیرت وحمیت کی ایک عمدہ مثال تھے۔ انکار منکر اور تردید باطل میں آپ کی جرأت مندی وغیرت قابل توجہ ہے۔ اکثر و بیشتر جگہوں میں بے باکی اور جرأت کے ساتھ بلا کسی لومتہ لائم کے حق کو اجاگر کرتے اور باطل پر نکیر

کرتے ۔سیاسی اسٹیج ہو یا دینی ،اپنے رفقاء کار ہوں یا پرائے ، ہر وقت مولانا کی نصیحت آمیز اور پرلطف وپرمزاح باتیں سننے کے لئے بے تاب رہتے اور آپ کے تجزیے اور تبصرے لوگوں کی توجہ کا مرکز رہتیں ۔اس طرح کے بے شمار واقعات آپ کی زندگی میں بھرے پڑے ہیں ۔ایک بار کا واقعہ ہے کہ بڑھنی چوراہے پر مئی ، جون کی تپتی ہوئی گرمی سے دوپہر کے وقت لوگ بے چین و مضطرب تھے ،بسوں کی شادیوں میں بکنگ کی وجہ سے لوگوں کو آمد و رفت میں دقت محسوس ہوتی تھی ،گھنٹوں انتظار کے بعد ایک بس آئی ،سخت گرمی کی وجہ سے بس کے انتظار میں کافی لوگ سامنے درخت کے سائے میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک ایک داروغہ اپنی موٹر سائیکل سے وہاں آدھمکا۔داروغہ کو دیکھ کر کچھ لوگ ویسے ہی وہاں سے چلے گئے اور کچھ لوگوں کو اس نے اپنی موٹر سائیکل سے بھاگنے پر مجبور کر دیا اور خود سامنے دوکان سے ایک لوٹا پانی لے کر اس درخت کے نیچے چبوترے پر بیٹھ کر اخبار کا مطالعہ کرنے لگا۔لوگ دھوپ کی وجہ سے پریشان ادھر ادھر پناہ لینے پر مجبور ہو گئے۔یہ سارا منظر روڈ کے اس پار مولانا اپنے ایک عزیز کی دوکان پر بیٹھے بیٹھے دیکھ رہے تھے ،آپ سے رہا نہ گیا چھڑی اٹھائی روڈ کے اس پار آئے اور برجستہ داروغہ کو مخاطب کر کے کہنے لگے کہ تمہارے باپ نے کبھی اس درخت میں ایک لوٹا پانی ڈالا ہے؟لوگوں کو اس گرمی میں بھگا کر یہاں آرام کرنے لگے ہو۔داروغہ نے نگاہ اٹھائی ،مولانا کو دیکھ کر ششدر رہ گیا۔آداب کے کلمات وحرکات بجالایا اور فوراً وہاں سے راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور ہوگیا۔ادھر ادھر منتشر لوگوں کو مولانا نے بلایا اور کہا کہ ادھر سائے میں آکر بیٹھ جاؤ۔لوگوں کے جمع ہونے کے بعد مولانا نے نصیحت کی اور کہنے لگے کہ جس طرح داروغہ کو دیکھ کر ڈر گئے اگر اتنا ہی ڈر اللہ تعالیٰ سے ہو جاتا تو آج یہ حالت نہ ہوتی ۔لوگ انتہائی آرام سے بیٹھ گئے ،چہ میں گوئیاں شروع ہوگئی نہ جاننے والوں نے استفسار شروع کیا کہ یہ بوڑھے بزرگ کون ہیں؟ جنہوں نے داروغہ کو بھی جرأت مندی کے ساتھ ڈانٹ کر ہم لوگوں کے آرام کے لئے بھاگنے پر مجبور کر دیا ،لوگوں کو معلوم ہوا کہ یہ مجاہد آزادی مولانا عبدالقیوم رحمانی ہیں

جن کی جرأت وغیرت بے مثال وقابل توجہ ہے یہ اوراسی طرح کے نہ جانے کتنے واقعات ہیں جو آپ کی جرأت، شجاعت ہمت، حق گوئی وبیبا کی غماز ہیں اوریہی مومن کی شان ہے سچ فرمایا علامہ اقبال نے ۔

آئین جواں مرداں حق گوئی و بے باکی

اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

جلسوں و کانفرنسوں کے دولہا: ہندوستان کے ۱۹۴۷ء میں آزاد ہونے کے کچھ دنوں کے بعد مولانا نے سیاست سے کنارہ کشی اختیار کرلی اور وطن کے لئے قربانیاں دینے کے بعد دین و ایمان کی خاطر جدوجہد اورقربانیوں کی مثال رقم کرنے میں لگ گئے، مولانا ایک بے باک خطیب، غیرت مند مقرر، مخلص و باوقار، ہمدردقوم وملت ہونے کے ساتھ ساتھ جلسوں کی سیاست حاضرہ سے بالکلیہ دور نہ اپنی اولیت کے لئے کوئی شکوہ وگلہ کرنے والے اور نہ ہی اپنی علمی مقام وجاہ کے حساب سے لوگوں پر رعب جمانے والے، انتہائی بے لوث فنا فی اللہ، ذکر واذکار میں مشغول، تلاوت قرآن میں مسحور، ہردم اللہ ورسول کی باتیں سنانے والے تھےاور آپ کی ان عادات حمیدہ و اوصاف کریمہ نے آپ کو لوگوں کے دلوں میں اتنا عزیز اوراتنا قریب کردیا کہ بلا آپ کی شرکت یوپی، بہارو بنگال کے جلسے ناکام ونامراد تصور کئے جانے لگے۔آپ کی موجودگی میں صدارت کی ذمہ داری آپ کے علاوہ کوئی قبول کرنے کی ہمت نہ کرتا اور آپ کی صدارت وموجودگی میں اچھے اچھے مقررین وخطباء بغلیں جھانکنے لگتے اوردل ہی دل میں یہی دعا کرتے اے کاش! یہ بوڑھا اسٹیج سے چلا جاتا اورہمیں اپنے اسٹائل اوراسلوب میں بلاکسی تحقیق وتفتیش کے ہرچہ آید کہنے کا موقع لگ جاتا۔لوگوں کی نگاہ میں آپ کی بڑی قدردانی تھی۔آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس پاکوڑ کے موقع پر آپ کے مداحوں اور چاہنے والوں کی جم غفیر میں نے خوداپنی نگاہوں سے دیکھا ہے اور جھارکھنڈ کے ایک اجلاس میں شرکت کے موقع پرعلاقے میں آپ کی دعوتی کاوشوں کے ایک تسلسل اور جہد

پیہم کی تاریخ میں میں نے برملا منخلا ڈیہہ والوں سے سنا ہے، اس لئے اگر یہ کہا جائے کہ آپ بلا مبالغہ جلسوں اور کانفرنسوں کے دولہا تھے، تو بیجا نہ ہوگا اور اگر آپ کو سلطان الخطباء والعلماء کا لقب دیا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا۔ نہ آن نہ شان، نہ ریا نہ نمود نہ چودھراہٹ، نہ طلب دنیا، مولانا رحمہ اللہ خود بیان کرتے تھے کہ ہم لوگوں نے دعوت وتبلیغ کے لئے پیدل میلوں کا سفر طے کر کے علاقے علاقے کو توحید وسنت کے پیغام سے آشنا کیا۔ ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ ہمارے گاؤں میں ایک اجلاس عام کی مناسبت سے پروگرام کی ترتیب کا کام چل رہا تھا، منتظمین اجلاس اس بات میں الجھے ہوئے تھے کہ ابھی لوگوں کا مجمع اکٹھا نہیں ہوا ہے کس سے تقریر شروع کرائی جائے، چہ می گوئیاں جاری تھیں، مولانا کے کانوں میں تقدیم وتاخیر کی آواز پڑی فوراً بلا کچھ کہے اٹھے اور سیدھے اسٹیج پر پہنچے۔ ایک بچے سے تلاوت کروانے کے بعد خود ہی تقریر کے لئے بیٹھ گئے۔ تقریر کا آغاز یہیں سے کیا گیا۔ بھائیو! بزرگو! جلسہ شروع ہوگیا ہے تقدیم وتاخیر کے لئے پریشان مت ہو میں ہی سب سے پہلے تقریر کر دیتا ہوں۔ چنانچہ آپ نے پہلی تقریر کی اور لوگوں کی الجھن ختم ہوگئی۔ یہ تھی مولانا کی بے لوثی اور ان کا خلوص، سچ ہے: ﴿من تواضع لله رفعه الله﴾ کہ جو اللہ کے لئے تواضع کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو بلند مقام پر پہنچا دیتے ہیں۔ یہ تھے مولانا کی زندگی کے چند زریں ابواب، اگر اسے زیب قرطاس کیا جائے تو کئی جلد تیار ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ آپ کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے۔ آمین

☆☆☆

مولانا عبدالقیوم رحمانی۔علم وتواضع کا پیکر

مولانا مطیع اللہ حقیق اللہ مدنی

استاد مدرسہ خدیجۃ الکبریٰ، کرشنا نگر، نیپال

مفسر قرآن مولانا عبدالقیوم رحمانی علیہ الرحمہ جماعت اہل حدیث کی علمی و دعوتی تاریخ کی ایک عظیم المرتب اور جلیل القدر شخصیت کا نام ہے، جب بھی کوئی مؤرخ ہندوستان کی عمومی اور جماعت اہل حدیث کی خصوصی دعوتی و اصلاحی تاریخ قلمبند کرے گا تو آزاد ہندوستان میں بلند پایہ نامور اور عظیم دعاۃ اور خطباء جماعت کی فہرست میں آپ کا نام نامی اسم گرامی جلی حرفوں میں لکھنے پر مجبور ہوگا۔

مولانا موصوف کا علم و مطالعہ بڑا وسیع و عمیق تھا، پوری دنیا بالخصوص عالم اسلام پر آپ کی بڑی گہری نظر تھی، قوموں کے عروج وزوال کی پوری تاریخ اسباب و علل کے ساتھ آپ کے سامنے تھی، مولانا اس موضوع پر اپنے خطابات میں نہایت ہی بصیرت افروز گفتگو فرماتے تھے۔

قرآن کریم سے بڑا گہرا شغف تھا، اکثر اوقات قرآن کی تلاوت کرتے رہتے تھے، اس کے معانی و مفاہیم کی زبردست معرفت انہیں حاصل تھی، تفسیر ان کا خاص موضوع تھا، صحابہ وتابعین مفسرین کے تفسیری أقوال نوک زبان تھے۔

آپ عظیم داعی، مبلغ اسلام اور سماجی مصلح تھے، بلکہ سچ یہ ہے کہ پوری حیات مستعار دعوت واصلاح، تبلیغ وتذکیر اور ارشاد وہدایت سے عبارت تھی، آپ حقیقی معنوں میں دعوتی فکر کے حامل تھے، آپ کی نمایاں خوبی آپ کا زہد وورع اور اخلاص وتقویٰ اور تواضع وانکسار تھا جو آپ کے پورے سراپا سے ظاہر تھا، آپ نے بے حد درویشانہ اور فقیرانہ زندگی بسر کی ہے یہ آپ کا طرۂ امتیاز تھا، اس عظیم الشان مفسر قرآن کی زندگی کا ہر پہلو بہت روشن اور تابناک ہے، اس جلیل القدر دعوتی

شخصیت کا مختصر تعارف اور ان کے نمایاں اوصاف حمیدہ کا تذکرہ درج ذیل ہے:

مولانا عبد القیوم رحمانی "غلام ہندوستان" میں ضلع بستی (سدھارتھ نگر) کے معروف گاؤں دودھونیاں میں تقریباً ۱۹۲۰ء میں ایک معزز خاندان میں پیدا ہوئے، مکتب کی تعلیم کے بعد مدرسہ سراج العلوم جھنڈانگر میں زیر تعلیم رہے پھر جامعہ اسلامیہ فیض عام میں داخل ہوئے اور اساطین علم وفن سے کسب فیض کیا، مولانا کافی ذہین وفطین تھے، اس ہونہار طالب علم کی ذہانت و لیاقت دیکھ کر ہی ممتاز عالم دین حکیم مولانا اسحاق صاحب رحمانی (چونٹھوا) والد بزرگوار ڈاکٹر اقبال احمد نملی صدر شعبہ حدیث، جامعہ محمدیہ منصورہ مالیگاؤں کی ترغیب وتحریض پر آپ نے تقسیم ہند سے قبل کی عظیم القدر سلفی درس گاہ ودانش گاہ "دار الحدیث رحمانیہ" دہلی کا رخ کیا، وہاں پر علم وفن کی یکتائے روزگار شخصیات سے خوب استفادہ کیا، حصول علم میں آپ کی دلچسپی اور ذوق وشوق کا اندازہ لگانے کے لئے اس درس گاہ کے آرگن محدث مجریہ نومبر ۱۹۳۸ء کی یہ رپورٹ کافی ہے جس میں یہ مذکور ہے کہ پانچویں جماعت کے ایک طالب علم "عبد القیوم بستوی" نے سنن ترمذی کی احادیث زبانی سنائی، مشاہدین محو حیرت تھے ممتحن حضرات نے کتاب منگوا کر اپنے سامنے رکھی اور جس باب کے متعلق فرماتے فوراً یہ طالب علم اس کی احادیث فرفر سنانا شروع کردیتا، (قدرے تصرف کے ساتھ) اس رپورٹ سے ایک بات یہ بھی ثابت ہوئی کہ مولانا موصوف کا حافظہ قوی تھا جن لوگوں نے بھی آپ کا خطاب بغور سماعت فرمایا ہے وہ یقیناً اس بات کی شہادت دیں گے کہ واقعی مولانا کی یادداشت بہت ہی پختہ تھی، ایک موضوع کی دسیوں بیسیوں آیات آپ اپنی تقریروں میں تلاوت کرتے چلے جاتے تھے بھٹکنے اور جھجھکنے کا کوئی سوال ہی نہ تھا، مفسرین قرآن کی عربی عبارات بھی پڑھتے تھے، موضوع سے متعلق احادیث بھی پیش کرتے تھے، آپ کے نامور اور مشہور اساتذہ کی فہرست طویل ہے چند کے اسماء گرامی یہ ہیں:

☆ مولانا محمد زماں رحمانی والد بزرگوار شیخ الحدیث مولانا ومفتی عبد الحنان صاحب فیضی۔

☆ مولانا محمد نذیر احمد صاحب رحمانی املوی صاحب کتاب ''اہل حدیث اور سیاست''۔

☆ مولانا عبدالغفور صاحب ملا فاضل بسکوہری، مشہور و معروف ادیب جنہیں عربی، فارسی اور اردو تینوں زبانوں پر یکساں قدرت وصلاحیت کے ساتھ ان زبانوں میں شاعری کا ملکہ بدرجہ اتم حاصل تھا۔

☆ مولانا سکندر علی صاحب ہزاروی، جو رحمانیہ میں معقولات کے مشہور استاذ تھے جنہیں اپنے فن میں عبور حاصل تھا۔

☆ شیخ الحدیث مولانا عبید اللہ صاحب مبارکپوری، صاحب ''مرعاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح''۔

☆ شیخ الحدیث مولانا احمد اللہ صاحب پرتاب گڈھی تلمیذ رشید شیخ الکل فی الکل میاں سید نذیر حسین محدث دہلوی رحمہم اللہ ورحمۃ اللہ واسعۃ۔

آپ نے مولانا سعید احمد اکبرآبادی اور مولانا عاشق الٰہی بلندشہری سے بھی استفادہ کیا ہے، مولانا عبدالقیوم رحمانی ۱۹۴۱ء یا اس کے بعد فارغ التحصیل ہوئے۔

یہ زمانہ ملک کو انگریزی استعمار سے آزاد کرانے کا تھا، تحریک آزادی کامل شباب پر تھی، مولانا کو ملک کو آزاد کرانے کی زبردست تڑپ پیدا ہوگئی، سیاسی جلسوں میں شریک ہو کر مشاہیر علماء کرام کی تقریروں کو ذوق وشوق سے سنتے تھے، درحقیقت دوران طالب علمی ہی میں ذہن بن گیا تھا اور عملی زندگی میں داخل ہوتے ہی آپ نے سیاست میں قدم رکھ دیا تھا گاندھی اور مولانا ابوالکلام آزاد سے بہت متاثر تھے، تحریک آزادی میں باقاعدہ شمولیت کے بعد آپ کی گرفتاری عمل میں آئی، مختلف جیلوں میں قید و بند کی صعوبتوں کو برداشت کیا، جیل کی زندگی میں ایک طرف ملک کے چوٹی کے لیڈران سے ملاقات ہوئی تو دوسری طرف قید وتنہائی میں کتابوں کا یکسوئی کے ساتھ مطالعہ بھی کیا، اس طرح مولانا جنگ آزادی کے ایک نامور مجاہد اور سپاہی تھے، ۱۹۴۷ء میں ملک باشندگان

ہند کی عظیم قربانیوں کے نتیجہ میں آزاد ہوا۔

جمہوری سیاست کی عیاریاں آپ کے ذہن سلیم سے درحقیقت ہم آہنگ نہیں ہو پا رہی تھیں، اصحاب فراست علماء نے بھی محسوس کیا کہ مولانا کی علمی لیاقت سے دین وملت کو فائدہ پہونچنا چاہئے اور آپ کو بھی جلد ہی اس بات کا احساس ہوا اور اپنی زندگی اور کد وکاوش کا رخ دعوت و ارشاد اور اصلاح ملت کی طرف موڑ دیا، چنانچہ کل تک سیاسی اسٹیج کی زینت بننے والے مولانا عبد القیوم رحمانی صاحب دینی، اصلاحی اور دعوتی اجلاس عام کے اسٹیجوں کی زینت بن کر علم کتاب و سنت کے موتی بکھیرنے لگے۔

اس زمانے گاؤں درگاؤں اجلاس عام کا رواج نہیں تھا، بلکہ کسی بھی خطہ میں واقع دینی اسلامی درسگاہوں کے زیر اہتمام عظیم الشان جلسے ہوتے تھے، دارالعلوم ششہنیاں کے ایک سالانہ اجلاس عام کا موقع تھا، مولانا رحمانی نے اس موقع پر ایمان وعقیدہ کی راہ میں سلف کی استقامت اور قربانیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے اپنی تقریر میں فتنہ خلق قرآن کے بارے میں امام اہل سنت احمد بن حنبل کی استقامت علی الحق اور مصائب ومحن پر صبر کا ذکر کافی جوش وخروش کے ساتھ کرتے ہوئے وقفہ وقفہ سے ''ابن حنبل زندہ باد'' ابن حنبل زندہ باد'' کا نعرہ لگایا، سامعین پر عجیب کیفیت طاری ہو گئی، اس تقریر کے سامعین آج بھی زندہ ہیں اور اس تقریر کو اور اس وقت کے خاص سماں کو فراموش نہیں کر سکے اور پھر یہیں سے مولانا عبد القیوم رحمانی کی خطابت کی دھوم مچ گئی، آپ کی شرکت کسی بھی اجلاس عام کی کامیابی کی ضمانت بن جاتی تھی، اس کے بعد تو مولانا تقریباً پچاس برسوں تک پورے صوبہ ہی نہیں بلکہ پورے ملک میں منعقدہ اجلاسہائے عام میں اپنی خطابت کا جادو جگاتے رہے اور جوش خطابت کے ذریعہ نہ جانے کتنے دلوں کو گرماتے رہے۔

صوبہ بہار و بنگال کے متعدد قصبات ومواضع میں آپ پہنچے اور کتاب وسنت کی دعوت کو عام کیا، مدھو پور کے علاقہ میں ''انکار حدیث'' کے فتنہ نے سر اٹھایا، علمائے اہل حدیث نے اس

خطرناک اور زہریلے فتنہ کا ہر سطح پر مقابلہ کیا تحریر وتقریر تصنیف و تالیف اور مناظرہ اور حوار کے ذریعہ اس کا قلع قمع کرنے کی بھرپور کوشش کی۔

تقریر کے ذریعہ اس علاقہ میں "فتنہ انکار حدیث" کو فرو کرنے اور "منکرین حدیث" کا تعاقب کرنے اور انہیں اپنے مذموم مقاصد میں ناکام کرنے، سادہ لوح عوام الناس کو "منکرین حدیث" کے دام تزویر سے نجات دلانے اور اس فتنہ سے محفوظ رکھنے میں سب سے عظیم کردار ہمارے ممدوح مولانا رحمانی صاحب کا ہے، اس علاقہ میں بسا اوقات طویل قیام کرکے اور قریہ قریہ جلسوں میں تقریروں کے ذریعہ عوام کو اس فتنہ سے آگاہ کیا، اور کتاب وسنت کی روشنی میں حدیث اور اس کی حجیت اور شرعیت اور اس کے مقام ومرتبہ کو واضح فرمایا۔

یوں بھی آپ عوام میں کافی مقبول تھے، آپ کے خطابت کی خوبی تھی کہ انتہائی سہل انداز آسان الفاظ بسا اوقات مقامی بولی میں اظہار مدعا فرماتے تھے، اور یوں عوام آپکا مقصود ومراد بخوبی سمجھ لیتے تھے، اسلئے آپ کی تقریروں سے اس خطۂ دیار کے لوگوں نے کتاب اللہ کی اور سنت رسول ﷺ کی اہمیت کو بخوبی سمجھ لیا، اور منکرین سنت (اہل قرآن) کے دام میں گرفتار نہ ہوئے، وللہ الحمد۔

علمائے اہل حدیث کی دعوتی وتبلیغی خدمات کا یہ پہلو بہت ہی قابل افسوس ہے بلکہ جماعت کا ایک ایسا المیہ ہے کہ اپنے علماء کی تقریری خدمات کا کوئی تاریخی ریکارڈ محفوظ نہیں ہے نہ اس طرف توجہ مبذول کی جارہی ہے، آپ نے کتنے اجلاس عام، کانفرنسوں اور تبلیغی و دعوتی پروگراموں میں حصہ لے کر اور اپنی تقاریر اور صدارتی کلمات سے کتنے قلوب واذہان کو منور کیا، اس کا صحیح علم صرف اللہ علیم وخبیر کے پاس ہے۔

یہ امر قابل ذکر ہے کہ آپ "مجاہد جنگ آزادی" تھے منجملہ مراعات کے آپ کو حکومت ہند کی طرف سے کل ہند سفریات کی سہولت ملی ہوئی تھی، مولانائے موصوف علیہ الرحمہ کی زندگی کا یہ

پہلو بہت ہی تابناک اور روشن ہے کہ اس اعزاز اور اس کے تحت حاصل مواصلات کی سہولت سے آپ نے ذاتی مفاد حاصل کرنے کی کوئی سعی نہیں کی، اس سرکاری خطاب کو اپنے لئے باعث عزت واکرام نہیں سمجھا اور نہ اپنی شہرت کا ذریعہ ہی تصور کیا، سچی بات یہ ہے کہ کل ماضی میں اجلاس عام کے اشتہار میں آپ کا نام نامی یوں ہی مطبوع ہوتا تھا مفسر قرآن مولانا عبد القیوم رحمانی دودھونیاں، یہ تو بہت قریب کی بات ہے کہ آپ کے نام کے ساتھ ''مجاہد آزادی'' وغیرہ لکھا جانے لگا، ورنہ بہت سارے لوگ اس ''وصف ولقب'' سے آگاہ نہ تھے۔آپ نے اس سہولت کا استعمال کیا تو دعوتی ودینی مقاصد کے لئے اور خوب کیا، ہند کی سرزمین کا شاید ہی کوئی خطہ ہو جہاں آپ نے پہنچ کر اپنے فاضلانہ خطاب سے وہاں کے مسلمانوں کو وعظ ونصیحت سے نہ نوازا ہو۔

آپ کا تذکرہ نگار یقیناً آپ کا ایک وصف خاص ذکر کرنے پر مجبور ہوگا اور اس وصف کے تذکرہ کے بغیر آپ کا تذکرہ ناقص تصور کرے گا، وہ قابل قدر اور لائق ستائش وصف آپ کا تواضع وانکسار تھا، ایک زمیندار گھرانے سے تعلق رکھنے والے، سینکڑوں بیگہہ زرعی زمین کے مالک اور تونگر انسان کا وضع قطع، لباس وپوشاک اور آپ کا بود وباش اور عام رہن سہن دیکھ کر کوئی اجنبی شخص یقیناً یہ تصور بھی نہیں کرسکتا تھا کہ یہ شخص جو معمولی ارزاں قیمت، میلے اور بے ترتیب پوشاک میں ملبوس ایک مالدار گھرانے کا چشم وچراغ ہے جس کی لمبی جائداد ہے، یہ سارا انداز بحمد للہ مصنوعی نہیں تھا، بلکہ آپ کا تواضع اور انکسار تھا، اور یہ پیغام بھی کہ دنیا میں مومن کی زندگی مسافرانہ اور ایک راہ گیر کی ہونی چاہئے، لباس وغذا کی خشونت اور تقليل من الدنیاو زخار فھا، یہ اسوۂ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے، تواضع سے انسان کا رتبہ ومقام عند اللہ بڑا ہو جاتا ہے اور یہ امر باعث غفران ذنوب وسیأت بھی ہے۔

مولانا عبد القیوم صاحب رحمانی اللہ تعالیٰ کے محبوب ومقبول بندوں میں سے تھے، مولانا موصوف کو جاننے والے یقیناً ان سے دلی محبت وقلبی الفت رکھتے تھے، کسی سے بھی آپ کا ذکر سوء

کرتے ہوئے نہیں سنا، ہر دل عزیزی سب کو نہیں میسر ہوتی ہے، یہ گرانمایہ مقام و درجہ اسے میسر ہوتا ہے جو عند اللہ محبوب ہوتا ہے۔

مولانا عہدے و منصب سے بھی تقریباً دور رہے، ایک زمانہ تک بلا مقابلہ ''پردھان'' ضرور منتخب ہوتے رہے لیکن اس دوران ان سے شاید کسی کو شکایت رہی ہو، آخری ایام میں آپ کو بلاد عرب کے اسفار کا موقع میسر آیا، عمرہ و حج کی سعادت حاصل ہوئی، ان سفروں کے بعد آپ کے اندر کافی تبدیلی پیدا ہوئی، لباس کے سلسلے میں بے پرواہی اور بے ترتیبی کا انداز رخصت ہوا، اب آپ سفید لنگی اور سفید رومال زیب تن کرتے تھے۔

مولانا آخری ایام حیات تک دعوت کی راہ میں رواں دواں رہے، ایک دعوتی سفر سے واپسی کے بعد طبیعت خراب ہوگئی، بیماری نے شدت اختیار کی، بالآخر علم و عمل اور تواضع و انکسار کا پیکر ۲۸؍مئی ۲۰۰۸ء کو اپنے مالک حقیقی سے جاملا نماز جنازہ دودھونیاں میں ادا کی گئی اور وہیں پر سپرد خاک ہوئے، جنازہ میں طلبہ، علماء اور عام لوگ کثیر تعداد میں حاضر تھے، پس ماندگان میں آپ کا بڑا وسیع خاندان اور پانچ بیٹے دو بیٹیاں اور پوتے، پوتیاں اور نواسے، نواسیاں وغیرہ ہیں، اللہ سب کو نیک راہ پر چلائے۔ (آمین)

اس میں کوئی شک نہیں کہ اولاد میں کوئی بھی آپ کا علمی وفکری جانشین نہ پیدا ہوسکا، لیکن پھر بھی یہ تمنا ہے اللہ کی ذات سے کہ کوئی انکا جانشین ان کا حق ادا کرنے کیلئے علم وعمل اور دعوت کی راہ اپنائے اور عامۃ الناس کو فائدہ پہنچائے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ آپ کی مغفرت فرما کر جنت النعیم میں جگہ عطا فرمائے۔ (آمین)

☆☆☆

مفسر قرآن حضرت مولانا عبدالقیوم رحمانیؒ

کی وفات حسرت آیات

مولانا عزیز عمر سلفی

مدیر ماہنامہ نوائے اسلام دہلی

جماعت اہل حدیث ہند کے معروف عالم دین اور داعی اسلام مفسر قرآن حضرت مولانا عبدالقیوم رحمانیؒ ۸۸/سال کی عمر میں ۲۸/مئی ۲۰۰۸ء کو انتقال فرما گئے (اناللہ وانا الیہ راجعون)

مولانا عبدالقیوم رحمانیؒ ان باقیات صالحات میں سے ایک تھے جن کے وجود پر ملک و جماعت کو ناز تھا۔ مولانا رحمانی ملک کے ان جانبازوں میں سے ایک تھے جنہوں نے سر کو ہتھیلی پر رکھ کر ملک کو فرنگی استعمار سے نجات دلائی تھی۔ مولانا دہلی میں زیر تعلیم تھے اور عہد شباب میں قدم رکھا تھا، جوش وہوش میں کچھ کر گذرنا چاہتے تھے چنانچہ جنگ آزادی کی آگ میں کود پڑے سبھاش چندر بوس کا نعرہ ''تم ہمیں خون دو ہم تمہیں آزادی دینگے'' نے تڑپا کر رکھ دیا۔ مہاتما گاندھی کی تحریک سے متاثر ہوئے اور پھر گاندھی جی کے ساتھ ہو لئے۔ مولانا رحمانی مرحوم کا خیال تھا کہ گاندھی جی کا تمام سرمایۂ سیاست اسلام کی دہلیز سے حاصل ہوا تھا۔ گاندھی جی اسلامی تعلیمات کا کثرت سے مطالعہ کرتے تھے اور خلیفۃ المسلمین حضرت عمر فاروقؓ کے عہد خلافت کے بہت مداح، خوشہ چین اور خوگر تھے، مولانا فرماتے تھے کہ اسی وجہ سے میں گاندھی جی اور ان کی تحریک سے بہت متاثر تھا اور قریب تھا۔ گاندھی جی کے بعد مولانا کا تعلق مولانا ابوالکلام آزاد اور پنڈت جواہر لال نہرو تک رہا، ان کے بعد آپ نے اپنے آپ کو سیاسی سرگرمیوں سے تقریباً الگ تھلگ کرلیا اور پھر دھیرے دھیرے اتنا دور ہو گئے کہ عام لوگ ہی نہیں بلکہ خواص بھی ان کو غیر سیاسی سمجھنے لگے۔

دہلی کی عظیم درسگاہ دارالحدیث رحمانیہ کے فارغ التحصیل تھے، آپ نہایت درویش صفت

اور مجاہد فی النفس تھے، وعدے کے پکے تھے، دھن کے دھنی، کاردعوت کی دشواریوں سے کبھی نہیں گھبراتے تھے۔کئی کئی کلومیٹر پیدل چل کر حسب وعدہ دینی پروگراموں میں شرکت فرماتے تھے اور یہ سلسلہ آخری دم تک جاری رہا اور اسی راستے پر چلتے چلتے سفر آخرت تک پہنچ گئے۔اللہ تعالیٰ آپ کو شہادت کا درجہ عطا فرمائے۔ آمین

تین ماہ قبل ۲۹ر ۳۰ر مارچ میں ضلعی جمعیت اہل حدیث مہراج گنج کا پہلا دعوتی و اصلاحی اجتماع اقراء ہائی اسکول آزاد نگر کے گراؤنڈ میں آپ ہی کی صدارت میں ہوا تھا۔اس ضعیفی و پیری میں بھی آپ پر خطابت کا رنگ غالب آجاتا تھا آپ ہمارے لئے بہت قیمتی مہمان تھے برادرم افضل حسین ندوی مدیر مجلس الدعوۃ الاسلامیہ نے مفسر قرآنؒ سے ٹیلیفون پر گفتگو کی اور مجلس کے زیر انتظام کچھ تعلیمی اداروں کو شرف زیارت بخشنے کی گذارش کی۔مفسر قرآنؒ راقم کے ساتھ چلنے کے لئے راضی ہو گئے۔ڈاکٹر حامد الانصاری انجم، مولانا عبدالرحیم امجد نیپالی، مولانا ابوالعاص وحیدی اور ماسٹر عبد اللہ خان پر مشتمل یہ وفد زیارت مدارس کے لئے روانہ ہو گیا۔تحصیل نچلول میں واقع حرا پبلک اسکول سے جیسے ہی باہر نکلے، روزنامہ اخبارات کے نمائندوں نے آگھیرا، مولانا سے جنگ آزادی کی کچھ باتیں سنیں اور پھر کچھ پیغام ملک کے فرزندوں کے لئے حاصل کیا جو دوسرے روز تمام ہندی اخبارات میں شائع ہوا۔اس وقت مولانا رحمانی کے سیاسی شعور کو دیکھ کر ہم لوگ دنگ رہ گئے کہ اس قسم کا سیاسی جواب مولانا کے پاس ہے۔اس وقت ہمیں اندازہ ہوا کہ مولانا کے پاس صلاحیت ہے وہ اللہ تعالیٰ کا عظیم عطیہ ہے ورنہ اس عمر میں اس قدر مربوط اور مستحضر گفتگو بہت کم لوگ کر پاتے ہیں۔

معہد الدینی واقع پپرا قاضی اور خالد ملی اسکول تعلیم آباد پرتاول کو دیکھ کر بہت دعائیں دیں۔ انجم صاحب بھی اپنے ہاتھ سے لگائے ہوئے پودہ کو ہرا بھرا دیکھ کر بہت خوش تھے۔دوسو کلومیٹر کی مسافت طے کرنے کے بعد بھی مولانا اسی نشاط کے ساتھ مسند صدارت پر صبح تک جلوہ افروز رہے۔

عام طور پر لوگ آپ کو مفسر قرآن کے نام سے جانتے تھے آپ قرآن کی تفسیر قرآن کے ساتھ عوام کی زبان میں کرتے تھے جب آپ قرآن پاک کی تلاوت فرماتے تھے تو سماں بندھ جاتا تھا۔کسی خطیب اور مقرر کے یہاں اس قدر آیات قرآنی کا استحضار اور موقع ومحل سے اس کی تلاوت دور دور تک نہیں ملتی۔

لکھا جائے تو مفسر قرآن کی تفسیر بہت طویل ہوگی، آپ بحیثیت عالم دین بہت نمایاں اور قد آور شخصیت کے مالک تھے، آپ کے علم کے استناد کے لئے رحمانی ہی کافی ہے جو دارالحدیث رحمانیہ دہلی کی طرف منسوب ہے۔آپ کا منبع علم قرآن تھا اور اسی کی روشنی میں آپ چلتے پھرتے تھے اس لئے آپ کو مفسر قرآن کا خطاب ملا اور یہ آپ کے نام کا لازمی حصہ بن گیا، آپ کی دعوتی زندگی بہت اثر انگیز تھی، یہی وجہ ہے کہ آپ اہلحدیث اسٹیج کے علاوہ احناف کے اسٹیج کی بھی زینت بنتے تھے اور کتاب وسنت کی تعلیم سے حاضرین کے سینوں کو گرماتے تھے۔

آپ ایک ایسے مجاہد آزادی تھے جو کبھی بھی اس کے اظہار کو اپنے لئے باعث افتخار نہیں سمجھتے تھے، سماجی زندگی میں آپ کے کارنامے بہت طویل ہیں۔تعلیم وتربیت کی تحریک واصلاح میں بھی آپ کی خدمات نمایاں ہیں۔اس میدان میں کام کرنے والوں کے شانہ بہ شانہ مل کر کام کیا ہے۔قاضی عدیل عباسی اور قاضی عبدالجلیل فریدی کے کاز کے ہمراز تھے۔

گذشتہ جولائی تک جماعت اہل حدیث کی صف میں دو نامور مجاہد آزادی تھے جن میں ایک حکیم عبدالصمد (رتن پور مراد آباد) تھے جو ماہ جولائی ۲۰۰۷ء کو ۱۰۰ سال کی عمر میں انتقال فرما گئے اور دوسرے مفسر قرآن مولانا عبدالقیوم رحمانیؒ تھے جو ۲۸ رمئی ۲۰۰۸ء کو اپنی جان جاں آفرین کے حوالے کردی۔اس طرح سے جماعت اہل حدیث اپنے بزرگ سرپرستوں سے محروم بلکہ یتیم ہو گئی۔

مفسر قرآن سند عالی کے حامل تھے لہٰذا ان کو حکومت کویت نے سند اجازہ دینے اور

کاردعوت کے لئے اپنے خرچ پر کویت بلایا تھا اس طرح سے آپ کے تلامذہ عرب وعجم میں پھیلے ہوئے ملتے ہیں۔ ملک میں دہشت گردی کو سیاست دانوں کی سیاہ کاری سے تعبیر فرماتے تھے علماء کرام کو بھولا ہوا سبق یاد دلاتے تھے بسا اوقات حضرات علماء کرام ان کی مجلس میں بیٹھتے ہوئے گھبراتے تھے۔ مولانا مرحوم کا خیال تھا کہ علماء اگر اپنے فرائض منصبی کو پہچان لیں تو ملک میں اسلام کے ذریعہ بڑا کارنامہ انجام دیا جا سکتا ہے اور انسانیت کی بہت بڑی خدمت ہوسکتی ہے۔ مولانا کی یہ خواہش کس طرح شرمندۂ تعبیر ہوسکتی ہے؟ جبکہ ملک کو اس کی ضرورت ہے۔

امید ہے کہ ارباب فکر و دانش اس نکتہ کی طرف توجہ دیں گے، اور مولانا کے جاری مشن کو آگے بڑھائیں گے۔

☆☆☆

مفسر قرآن مولانا عبدالقیوم رحمانیؒ ایک فقید المثال شخصیت

مولانا ضمیر احمد حقیق اللہ المدنی

استاد جامعہ رحمانیہ کاندیولی ممبئی

مجاہد آزادیٔ ہند مفسر قرآن مولانا عبدالقیوم رحمانیؒ ۲۸ رمئی ۲۰۰۸ء کو ایک طویل علمی و دعوتی سفر طے کرنے کے بعد ۸۸ رسال کی عمر میں اپنے مالک حقیقی سے جا ملے (انا للہ و انا الیہ راجعون)

آپ رحمہ اللہ ایک زمیندار گھرانے سے تعلق رکھتے تھے لیکن کبھی بھی شیخی وانانیت اور اپنے خاندانی وجاہت کو فخریہ بیان نہیں کیا بلکہ وہ سادگی، تواضع و خاکساری کے پیکر تھے۔ آپ ایک نابغۂ روزگار اور فقید المثال شخصیت تھے۔ آپ کی خدمات و کارنامے گراں قدر ہیں بالخصوص دعوت وتبلیغ کے میدان میں آپ کی محنت شاقہ اور مسلسل ایک ریکارڈ توڑ دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے اور اس میدان میں آپ کی جگر سوزی کا یہ عالم تھا کہ ہندوستان کا کوئی خطہ ایسا نہیں جہاں اردو زبان بولی اور سمجھی جاتی ہو اور وہاں کے افراد آپ کے مواعظ حسنہ اور دعوت وتبلیغ سے مستفید نہ ہوئے ہوں حتیٰ کہ زندگی کے آخری سانس کے مرحلے تک آپ اس میدان کے ایک عظیم سپاہی وفدائی بن کر اپنی جان کو جان آفریں کے حوالہ کیا اور سچ مچ مجاہدانہ زندگی بسر کرتے ہوئے ''مجاہد آزادیٔ ہند'' کے ساتھ ''مجاہد فی سبیل اللہ'' کے صفت سے متصف ہوئے اور آپ کی ہستی ایسی باکمال تھی کہ جنکی اوصاف اور خصائل حمیدہ سے ہماری گردنیں فخر سے اونچی ہو جاتی تھیں۔ واضح رہے کہ ایسی باکمال ونامور ہستی کسی بھی قوم میں صدیوں میں پیدا ہوا کرتی ہے۔ بقول شاعر

مت سہل ہمیں جانوں پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردہ سے انسان نکلتے ہیں

آپ دارالحدیث رحمانیہ دہلی کے ایک عظیم فرزند سپوت اور آخری چشم و چراغ تھے جیسا

کہ امونا تیواری کے اجلاس عام منعقدہ ۱۶،۱۷ مئی ۲۰۰۸ء کو اپنے صدارتی خطاب اور ولولہ انگیز تقریر میں یہ بات فرمائی تھی ''رحمانی علماء وفضلاء کا متحدہ ہندوستان میں ایک شاندار تاریخی کردار ہے جو تاریخ کے سنہرے صفحات میں ثبت ہو چکے ہیں خواہ وہ علمی میدان ہو یا دعوتی، تدریسی شعبہ ہو یا تصنیفی، رفاہی خدمات ہوں یا سیاسی، افتاء وقضاء کا باب ہو یا شعر وادب، غرضیکہ تمام میدان میں ممتاز مقام رکھتے تھے اور ان کے گراں قدر خدمات کا دائرہ بہت ہی وسیع ہے۔ ان جانبازوں اور ملت کے سپاہیوں نے ایک روشن اور تابناک تاریخ رقم کر کے پورے ہندوستان میں شمع دین کو روشن کیا اور اعلاء کلمۃ اللہ کو بلند کیا اور سماج ومعاشرہ میں دینی علوم کی تبلیغ اور نشر واشاعت میں تاریخی کردار ادا کیا ہے جسے دنیائے اسلام بنظر استحسان واستعجاب دیکھتی ہے''۔

یہاں کی خاک سے اٹھنے والا ہر ذرہ نیر تاباں بن کر چمکا، دارالحدیث رحمانیہ مرحوم کے فارغین فضلاء حقیقی معنوں میں علوم دینیہ کے خادم، مفسر قرآن، شارح حدیث، فقیہ، مجتہد، امام و خطیب، قاضی ومفتی، داعی ومبلغ، مدرس ومولف، محقق ومصنف بن کر ہندوستان کی سرزمین پر چھا گئے اور محیر العقول خدمات انجام دیکر اپنے انمٹ نقوش چھوڑے ہیں۔ اسی لئے رحمانی علماء کا بدل تلاش کرنا غیر متصور ہے۔

مفسر قرآن کے حالات زندگی پر جب ہم طائرانہ نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں سب سے پہلے پرہیز گاری، تقویٰ وخشیت، انابت الی اللہ کے ساتھ ان کی سادگی وخاکساری کا زبردست پہلو نمایاں نظر آتا ہے۔ فخر ومباہات سے کوسوں دور، زبان ذکر اللہ میں مشغول، غیبت وچغل خوری، استہزاء ومذاق، جھوٹ اور مکر وفریب جو موجودہ دور میں فیشن کی شکل اختیار کر چکا ہے اور یہ چیزیں مجالس ومحافل کی زینت بن چکی ہیں لیکن آپ کی مجلسوں میں قطعاً اس کی گنجائش نہیں ہوتی تھیں بلکہ خالص علمی موضوعات پر مدلل وسیر حاصل بحث کرتے تھے اور علمی نکات سے محفل کو گرمائے رکھتے تھے اور دوٹوک میں اپنا خیال ظاہر کرتے تھے، کبھی کسی سے مرعوب نہیں ہوا کرتے تھے۔ راقم بھی

مولانا مرحوم کا زبردست عقیدت مند تھا ممبئی کی سرزمین پر متعدد ملاقاتیں ہوئیں۔ آپ کا جامعہ رحمانیہ سے قلبی لگاؤ تھا چنانچہ آپ یہاں اکثر و بیشتر تشریف لاتے تھے اور اساتذہ اور بچوں سے ملاقات و وعظ و نصیحت فرماتے۔ اساتذہ کے لئے علمی پروگرام رکھا جاتا تھا۔ یہیں سے ملاقات و تعارف کا سلسلہ چلا۔

میری پہلی باضابطہ ملاقات جری مری کی مسجد میں ہوئی باتوں باتوں میں جب آپ کو پتہ چلا کہ میں جامعہ رحمانیہ کاندیولی ممبئی میں تدریسی فریضہ انجام دے رہا ہوں تو آپ نے کہا کہ میں بھی کاندیولی جاؤں گا وہاں میرے رشتہ دار رہتے ہیں میری بھتیجی پڑھاتی ہے اور پوتی پڑھتی ہے میں نے کہا چلئے: بزرگوں کی رفاقت حاصل ہو تو زہے قسمت۔ اور آٹو رکشہ پکڑ کر آئے، راستے میں مختلف موضوعات پر گفتگو کرتے رہے اور آنکھ بند کر کے ذکر واذکار کے کلمات بھی زبان پر لاتے رہے اور جب میں نے بتایا کہ میں ششہنیاں مولانا عبدالجلیل رحمانی کے گاؤں کا ہوں تو مولانا کا ذکر جمیل سن کر آپ کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں اور ششہنیاں ومضافات کے جلسوں اور علاقے کی خصوصیات وغیرہ اپنے مخصوص انداز اور لہجے میں بتلانے لگے۔

واضح رہے کہ ششہنیاں ہی کے ایک جلسے میں آپ کا وہ تاریخی پر مغز اور ولولہ انگیز خطاب ہوا تھا جس میں آپ کی جوش خطابت اور سحر بیانی سے پورا اسٹیج "احمد بن حنبل زندہ باد، احمد بن حنبل زندہ باد" کا نعرہ بلند کرتے ہوئے جھوم اٹھا تھا۔

آپ کی ایمانی پختگی اور صبر و عزیمت کا نظارہ پاکوڑ کانفرنس کے موقع پر دیکھا جس میں مرکزی جمعیت نے آپ کو علمی، رفاہی، سیاسی وسماجی خدمات پر ایوارڈ سے نوازا تھا اس موقع پر آپ سخت بخار زدہ تھے اور مزاج پرسی کرنے والوں سے صرف سورہ فاتحہ پڑھ کر دم کرنے کو بولتے تھے حتی کہ سابق امیر جماعت مولانا مختار احمد ندوی مرحوم سے بھی دم کرنے کو کہا۔ جب انہوں نے اپنی طبیہ کالج کے اسٹاف و میڈیکل اور دواؤں کا تذکرہ کیا جس سے آپ کی ایمانی پختگی، صبر و

عزیمت اور توکل علی اللہ کا پتہ چلتا ہے۔

آپ ظرافت ومزاح سے بھی مجلس کو لالہ زار بنا دیتے تھے جیسا کہ آل انڈیا اصلاحی کانفرنس منعقدہ ۵، ۶ رمئی بمقام کرٹھواں، سدھارتھ نگر کے موقع پر فجر کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد مدرسہ کے سامنے آپ کی مجلس میں شریک رہا، جس میں متعدد علماء کے ساتھ محبوب ومشہور شاعر حیرت بستوی بھی موجود تھے، حیرت صاحب کسی اجلاس کا حوالہ دیتے ہوئے اپنے چند اشعار پڑھنا شروع کئے تو کہا میں نے بھی ایک قطعہ شعر عربی میں بنایا ہے اور دوران تقریرات میں پیش بھی کی تھی آپ شاعر ہیں اس کی معنویت وموزونیت پر بھی آپ نے غور کیا ہے؟ آپ نے کہا:

الرجال بالرجال و النساء بالنساء

تــبــاً لـك يا دنــمــارك

آپ نے یہ مسجع ومقفع جملے ڈنمارک ملک کے لئے کہے جس وقت وہاں کے اخبارات نے نبی کریم ﷺ کا کارٹون بنا کر آپ کی ذات مبارکہ ومقدسہ کو استہزاء ومذاق کا ھدف بنایا تھا۔

مفسر قرآن علیہ الرحمہ کی علمی خدمات متنوع ہیں لیکن دعوت وارشاد کا میدان سب سے وسیع ہے۔ خطابت کے ذریعہ آپ نے دین حنیف کی زبردست خدمت کی "توحید اور شرک و بدعت سے پرزور بیزاری" خاص موضوع ہوتا تھا۔ ساتھ ہی متعدد حساس موضوعات پر خالص علمی و تربیتی واصلاحی تقریریں کرتے تھے۔ ایذا رسانی، تحقیر وتذلیل، سب وشتم، لعن وطعن کا عنصر آپ کے خطابات میں ہرگز نہیں ہوتا تھا اور نہ کسی مذہب ومسلک کو تنقید کا نشانہ بناتے تھے۔ بلکہ نصوص کتاب وسنت کی روشنی میں ایجابی پہلو کو مدنظر رکھتے تھے جبکہ ادیان وفرق پر گہری نظر رکھتے تھے بالخصوص "یہودیت" اور "نصرانیت" نیز ان کی ریشہ دوانیوں، مکر وفریب اور اسلام دشمنی پر مدلل گفتگو فرماتے تھے، عربی زبان میں آپ کی ایک شاہکار مختصر تصنیف "تاریخ الیہود فی القرآن الکریم" کے نام سے مطبوع ہے۔ (جسے جامعہ رحمانیہ کاندیولی ممبئی کے شعبۂ نشر واشاعت نے طبع کر کے مفت تقسیم کیا ہے)

آپ ملک وملت کے لئے سیاسی و رفاہی و تعلیمی خدمات پیش کر کے زبردست خراج تحسین کے مستحق ٹھہرے ہیں۔ جس میں شہرت طلبی، ناموری کا ذرہ برابر بھی عنصر شامل نہ رہا بلکہ یہ کارہائے نمایاں خالصتہً للہ انجام دیا۔ جبکہ مادیت کے اس دور میں اپنی خدمات کے عوض ''اپنے نام'' سے کوئی ''اکیڈمی'' کوئی ''جامعہ و مدرسہ'' کوئی ''کالج یا اسکول'' نہیں قائم کیا۔ اگر چاہتے تو انہیں سرکاری اور غیر سرکاری دونوں ہی سطح سے بھر پور تعاون ومراعات ملتا لیکن اس پر خطر سنگ لاخ وادی میں قدم رکھنے سے باز رہے۔ ممکن ہے کہ وہ اپنی مومنانہ فراست سے اس کٹھن ڈگر کی سنگینی کو بھانپ لئے ہوں اور اپنے آپ کو بچالیا ورنہ ایسے کتنے اصاغر علماء اور افراد جماعت جو علم وعمل، تقویٰ وورع اور زہد وقناعت میں ان کے خاک پا کے بھی برابر نہیں تھے وہ مؤسس و مدیر و مہتمم و رئیس بن کر بہتی گنگا میں ڈبکی لگانے سے باز نہ رہے اور دنیا داری ومفاد پرستی میں ضرب المثل اور یگانہ روزگار ٹھہرے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی شخصیت غیر متنازع تھی، نہ کسی سے عداوت و بیر، نہ کسی سے منافست ومقابلہ آرائی، نہ ٹکراؤ و تناؤ، نہ حسد ورقابت غرضیکہ جملہ معاشرتی وسماجی بیماریوں سے پاک وصاف، ایک زاہد وعابد کی زندگی گذارتے ہوئے خاموش خدمت انجام دیتے رہے اور تقویٰ و پرہیز گاری، زہد وورع، سادگی وقناعت میں ضرب المثل ٹھہرے۔ وذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء

محترم قارئین کرام! آپ کی زندگی کے تمام گوشوں پر خامہ فرسائی کے لئے ایک عظیم وضخیم کتاب رقم کرنے کی ضرورت ہے عقیدت ومحبت کے چند سطور بعجلت قلمبند کر دئے گئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مولیٰ انہیں جنت الفردوس میں جگہ دے اور ان کی جملہ خدمات و صدقات جاریہ کو قبول فرمائے اور ان کی لغزشوں وخطاؤں کو معاف کردے اور پس ماندگان کو صبر جمیل عطا کرے۔ آمین تقبل یارب العالمین

☆☆☆

ملک میں اک چراغ تھا نہ رہا

مولانا سعید احمد بستوی (سابق ناظم صوبائی جمعیت اہلحدیث، ممبئی)

۲۸ رمئی ۲۰۰۸ء کی شام بعد نماز مغرب حافظ عبداللہ صاحب کی زبانی یہ خبر معلوم ہوئی کہ مفسر قرآن، مجاہد آزادی مولانا عبدالقیوم رحمانیؒ انتقال کر گئے۔ فانالله و انا اليه راجعون. پورا ماحول، علاقہ، دور دور تک لوگ سوگوار ہو گئے، اور ۲۹ رمئی ۲۰۰۸ء کی صبح ۹ ربجے تدفین کا اعلان کیا گیا۔ لوگ جوق در جوق مفسر قرآن رحمہ اللہ کو دیکھنے کے لئے چلے آرہے تھے گھر پر جہاں مولانا کا جسد خاکی رکھا ہوا تھا وہاں بڑی لمبی قطار لگی ہوئی تھی۔ برادران وطن عام آدمی سے لیکر خواص تک سب وہاں موجود تھا حکومتی سطح پر بھی نمائندے بھیجے گئے تھے جو پل پل کی خبر لیتے رہتے تھے انسانوں کا ایک جم غفیر تھا۔ ایسا مجمع اس علاقے میں دیکھنے میں نہیں آیا، یہ مفسر قرآن کی محبوبیت تھی اپنوں میں بھی اور پرایوں میں بھی، باوجود زمیندار ہونے کے کبھی ان کے دل میں ایسی چیز نہیں دیکھی گئی جس سے کسی طرح کی شیخی، غرور، عجب و تعلّی نظر آئی ہو۔ درویش صفت انسان تھے، ہزاروں کی تعداد میں لوگوں نے نماز جنازہ ادا کی اور اپنے اس قائد کو خراج عقیدت پیش کیا اور نمدیدہ آنکھوں سے آخری دیدار کیا۔ میڈیا کے لوگوں نے بھی اس چیز کو پہلی سرخی بنائی اور شائع کیا، علماء کرام کی کثیر تعداد وہاں نظر آئی خاکسار بھی وہاں موجود تھا، آپ ایک باکمال شخصیت کے مالک تھے بقول مولانا غلام رسول مہر":

"عظیم الشان انسانوں کے مقامات و مدارج ہیں جو اس بنا پر متعین ہوتے ہیں کہ زمانی اور مکانی اعتبار سے ان کے دائرہ اثر و رسوخ کی کیا کیفیت رہی۔ بعض افراد خاص اسباب کی بنا پر شہرت پالیتے ہیں اور ان میں مقام شہرت پر قائم رہنے کے جوہر موجود نہیں ہوتے، بعض کو قدرت عزت و احترام کی اوج گاہوں پر پہنچا دیتی ہے لیکن وہ اپنے مخصوص ماحول سے باہر کوئی قابل ذکر حیثیت حاصل نہیں کر پاتے، نیز ان کی قدروں کو زمانی اعتبار سے چنداں پائداری نصیب نہیں

ہوتی، بعض اوقات یہ خاک دان تیرہ و تار ایسی شخصیتوں کی جلوہ گری سے بھی زیب و زینت پاتا ہے جو زمان و مکان کے لوح قلب پر اپنی عظمت کے گہرے نقوش ثبت کر جاتی ہے، لیل و نہار کے وہ نقوش مدھم نہیں ہوتے بلکہ زیادہ ابھرتے رہتے ہیں۔''

مفسر قرآن رحمہ اللہ کا تعلق عظیم المرتب انسانوں کی اسی آخری صف سے تھا اور ایسے انسان زمانے کا دور گذر جانے کے بعد بھی عرصۂ شہود پر جلوہ آراء ہوتے ہیں۔ خواجہ سنائیؒ نے اسی حقیقت کو اجاگر کرتے ہوئے کہا تھا :

دور ہا باید کہ تا یک مرد خلق شد بایزید اندر خراساں یا اویس اندر قرن

مفسر قرآن رحمہ اللہ علم و عمل دونوں کے تاجدار تھے انہیں دونوں دائروں میں سلطانی کا تاج نصیب ہوا اور آج فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ وہ علم میں بڑے تھے یا عمل میں انہوں نے مدت العمر قوم کو عزیمت کی دعوت دی اور یہ دعوت خوشنما الفاظ، دل نشیں تحریرات یا پر تاثیر خطابت تک محدود نہ تھی بلکہ ایسے قلب کی گہرائیوں سے اٹھی ہوئی دعوت تھی جس کے متحرک خون کا ہر قطرہ عزیمت کی حرارت سے مخمور تھا انہوں نے جو اونچی سے اونچی بات کہی اس پر اونچے سے اونچے عمل کا نمونہ پیش کیا ایسے یگانہ افراد ہر فضا میں تربیت نہیں پاتے اور ایسے گرانمایہ گوہر ہر خاک سے نہیں اٹھتے۔ صلاحیت حفظ و استحضار کے لحاظ سے وہ قدرت کا ایک عجیب و غریب نشان تھے بے تکلف کہا جا سکتا ہے کہ وہ جو کچھ پڑھتے تھے دماغ کے مختلف خانوں میں حسن ترتیب سے چنتے جاتے تھے۔ ہر خانہ ضرورت کے وقت خود بخود کھل جاتا تھا اور جو شئے چاہتے اٹھا لیتے۔

وہ قلم جس سے موتی برستے تھے وہ قلم جس سے بجلیاں بھی گرتی تھیں، وہ زبان جس سے پھول برستے تھے اور جن سے چنگاریاں بھی نکلتی تھیں جو باطل کو جلاتی بھی تھی اور سچ کو روشن بھی کرتی تھی وہ زبان بند ہے۔ وہ قلم ٹوٹ گیا لیکن وہ مثال باقی ہے۔ اور ہمیں چاہئے کہ ہم اس مثال سے گرمی بھی لیں اور روشنی بھی لیں۔ اور اپنی زندگی کو ایسا بنائیں جیسا کہ وہ چاہتے تھے کہ ہم

بنائیں، اور جس کی مثال وہ ہمارے لئے چھوڑ گئے۔ ہمارے سامنے کام کا بہت وسیع میدان ہے اس قوم کو بنانے کا کام کوئی کھیل نہیں ہے، بستی بسنا کھیل نہیں ہے، بستے بستے بستی ہے۔ مفسر قرآن کے عقیدت مندوں کا ایک وسیع حلقہ ان سے وابستہ ہو گیا تھا، وہ تھوڑی دیر کے لئے بھی کسی جگہ اطمینان کے ساتھ بیٹھ جاتے تو علوم و معارف کا ایک حلقہ قائم کر دیتے تھے، کیا بہار، کیا بنگال، کیا دکن، کیا یو پی، کیا اڑیسہ، کیا مدھیہ پردیش کیا عرب، آپ کے خوشہ چیں ہر جگہ موجود رہے اور ہیں۔ آپ ہر دلعزیز تھے اور یہ ہر دلعزیزی ایسی نہ تھی جیسی سیاسی ہنگاموں کے دوران میں پھولوں کے ہاروں، جلوسوں اور تقریروں کی شکل اختیار کر کے لیڈروں کے رو بہ رو پیش ہوتی رہتی ہیں۔ مولانا کی ہر دلعزیزی دلوں کی تڑپ کا جزء بن گئی تھی یہ گراں بہا متاع انہوں نے اپنی رائے کی پختگی اور اپنے مسلک کی استقامت کے سلسلے میں بے دریغ لٹادی اپنے علم و نظر کے مطابق حق کی خاطر اس بے نظیر حوصلے، اس بے مثال ہمت اور اس بے دریغ قربانی کا نمونہ کہاں مل سکتا ہے؟ زمانہ جس طرح غیر معلوم ماضی سے گردش میں ہے اسی طرح غیر معلوم مستقبل میں بھی کرتا رہے گا۔ عام لوگ بھی پیدا ہوتے رہیں گے اور بلند مرتبہ شخصیتوں کے ظہور کا دروازہ بھی بند نہ ہوگا لیکن ہم خیرہ ذوقی کے جس عہد سے گذر رہے ہیں اسے مد نظر رکھتے ہوئے کیا امید ہو سکتی ہے کہ مفسر قرآن کے پایے کی یا ان سے ملتی جلتی شخصیت پھر پیدا ہوگی؟ مولانا نے یہ ثابت کر دیا کہ علم ایک گورکھ دھندا نہیں ہے جس سے لوگوں کو دھوکے دئے جائیں بلکہ وہ ایک روشنی ہے جس سے آدمی دوسروں کو روشنی دکھا سکتا ہے جاننے والے جانتے ہیں کہ اس عالم، مفسر، مرد مجاہد نے کلمہ حق کہنے کی مثالیں قائم کی ہیں اس کائنات کی کوئی بھی شئے فنا کی دسترس سے باہر نہیں، بقا صرف اللہ کے لئے ہے۔

خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھی مرنے والے میں

اللہ آپ کے درجات بلند فرمائے، آپ کی مغفرت فرمائے، پس ماندگان کو صبر جمیل کی توفیق بخشے بقول شخصے۔

ایک روشن دماغ تھا نہ رہا
ملک میں اک چراغ تھا نہ رہا

خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھی مرنے والے میں

مولانا عبدالمعبود سلفی
مدیر مسئول سہ ماہی مجلہ الفرقان ڈومریا گنج

۲۶ رمئی ۲۰۰۸ء بروز جمعرات کی صبح سہارا اخبار اردو کے پہلے صفحہ پر نظر پڑتے ہی دل کو ایک زوردار جھٹکا لگا دلدوز خبر یہ تھی کہ محترم عبدالقیوم رحمانیؒ داعی اجل کو لبیک کہہ گئے۔ (انا لله و انا الیه راجعون)

محترم مولانا عبدالقیوم رحمانی رحمہ اللہ ضلع سدھارتھ نگر کے معروف گاؤں دودھونیاں میں پیدا ہوئے، اس گاؤں کو آپ کی وجہ سے پورے ملک میں شہرت ملی، مولانا عبدالقیوم رحمانی جماعت اہل حدیث کے ایک بزرگ اور جید عالم دین تھے، ہندوستان کی آزادی میں آپ نے بھرپور حصہ لیا، ہندوستان چھوڑو تحریک کے دوران آپ وزیراعظم پنڈت جواہر لال نہرو کے ساتھ نینی جیل الہ آباد میں بھی رہے۔ پنڈت جواہر لال نہرو اور اندرا گاندھی کا آپ بہت احترام کرتے تھے۔

مولانا عبدالقیوم رحمانی رحمہ اللہ ایک بزرگ مجاہد آزادی قوم پرست لیڈر قومی یکجہتی کے علمبردار اور تقسیم وطن کے سخت مخالف تھے، آپ مولانا ابوالکلام آزاد کی سیاست اور نظریہ کے کٹر حامی تھے، آپ کی فقیرانہ زندگی اور دنیا سے بیزاری نے آپ کو بہت دنوں تک ایوان سیاست میں رہنے کا موقع نہیں دیا۔ آپ نے اپنے آبائی پیشہ کاشت کاری کو اختیار کیا، اور ساتھ ہی دعوت و تبلیغ میں مشغول ہو گئے۔ اور دعوتی کام میں اس طرح مصروف ہوئے کہ اسی دعوتی کام میں آپ سفر آخرت پر روانہ ہو گئے۔

محترم مولانا عبدالکریم ندوی رحمہ اللہ نے بتایا کہ مفسر قرآن مولانا عبدالقیوم رحمانی رحمہ اللہ کو مدرسہ دارالعلوم ششہنیاں کے اجلاس عام کی تقریر سے کافی شہرت ملی۔ یہ اجلاس عام محترم مولانا عبدالجلیل رحمانی رحمہ اللہ کی سرپرستی میں منعقد ہوا تھا، مولانا نے سیرت امام احمد بن حنبل ”کے عنوان پر بہت پرجوش خطاب فرمایا تھا، ہر پانچ منٹ پر پورا مجمع پرجوش نعرہ لگاتا تھا، ابن حنبل زندہ باد، ابن حنبل زندہ باد۔ ابھی ۱۷ رمئی ۲۰۰۸ء کو مونا تیواری کے جلسے میں مفسر قرآن مولانا عبدالقیوم رحمانیؒ نے ۴۵ رمنٹ تک بہت جامع صدارتی خطاب فرمایا تھا، مولانا رحمہ اللہ نے اپنے

صدارتی خطاب میں کہا تھا کہ اب میں بہت بوڑھا ہو چکا ہوں، چراغ سحر ہوں بجھا چاہتا ہوں۔ واقعی ٹھیک دس دن کے بعد یہ چراغ ہمیشہ کے لئے بجھ گیا۔ اللهم اغفر له و ارحمه

آپ کی خصوصیات : آپ ایک مخلص اور سچے داعی تھے۔ آپ جیسا ملت کا بے لوث خادم ملنا بہت مشکل ہے، آپ کی شخصیت دعوتی میدان میں کام کرنے والوں کے لئے نمونہ عمل ہے۔ معروف خطباء عظام کی طرح نہ تو آپ کے پاس کمیشن خور ایجنٹ تھے اور نہ خود آپ اپنی دعوت و تبلیغ کا کبھی معاوضہ طے کرتے تھے آپ دعوت و تبلیغ کا یہ کام خالصتاً لوجہ اللہ کرتے تھے۔ اگر کسی صاحب دل نے کچھ دینے کی کوشش کی تو بمشکل قبول فرماتے تھے، اگر نہیں دیا تو کوئی غم اور شکوہ بھی نہیں ہوتا تھا۔ اکثر جگہوں پر میں نے مشاہدہ کیا ہے کہ تقریر ختم ہونے کے بعد جب منتظمین جلسہ کی جانب سے ہلکا لفافہ دیا جاتا ہے تو بعض خطیب وہیں ناراض ہو جاتے ہیں اور غصے میں فجر کی نماز چھوڑ دیتے ہیں اور صاف کہتے ہیں کہ معاوضہ کم ملا ہے، اس لئے آج میں نماز نہیں پڑھونگا ۔ مولانا عبدالقیوم رحمانی رحمہ اللہ بحمد للہ ان برائیوں سے پاک و صاف تھے، آپ بہت ساری خوبیوں کے مالک تھے۔ ۸۸ ر سال کی طبعی عمر گزار کر ۲۸ ر مئی بروز بدھ لکھنؤ کے اسٹار نرسنگ ہوم میں ۱۱ ربجے دن میں انتقال کر گئے۔ آپ کے انتقال سے صرف موضع دودھونیاں ہی نہیں بلکہ پورا علاقہ یتیم ہو گیا۔ آپ کے جنازے میں ہزاروں کا مجمع تھا آپ کے جنازے کا اژدہام دیکھ کر مجھے امام احمد بن حنبل کا ایک قول یاد آیا، آپ نے فرمایا تھا کہ میری اہمیت کا اندازہ میرے جنازے سے لگانا۔ کچھ ایسا ہی منظر آپ کے جنازے میں بھی دیکھنے کو ملا۔ سرکاری افسران بھی آپ کے جنازے میں شریک تھے۔ مولانا عبدالحمید رحمانی حفظہ اللہ نے آپ کے جنازہ کی نماز پڑھائی، آپ کے جنازے میں علماء کرام کی بھیڑ تھی۔ دعاؤں کے ساتھ آپ کو سپرد خاک کیا گیا۔

خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھی مرنے والے میں

اللهم اغفر له وارحمه و عافه واعف عنه و اکرم نزله ووسع مدخله

☆☆☆

مجاہد آزادی مفسر قرآن

مولانا عبدالقیوم صاحب رحمانی اسلام کے مایہ ناز خادم

محمود احمد محمد عثمان فیضی (پرتاب گڈھی)

مفسر قرآن مولانا عبدالقیوم رحمانی علیہ الرحمہ سلفی عقیدہ و جماعت اہل حدیث کے عظیم سپوت اور مایہ ناز خادم جامعہ رحمانیہ دہلی کے شیخ الحدیث مولانا احمد اللہ صاحب پرتاب گڈھی رحمہ اللہ کے تلمیذ رشید و آسمان خطابت کے نیر تاباں ہمیشہ کے لئے اس دار فانی سے رحلت کر گئے انا للہ و انا الیہ راجعون۔ مولانا رحمہ اللہ نے اپنی ساری زندگی دینی تعلیم اور دعوت و تبلیغ میں صرف کر دیں، کسی جلسہ کی کامیابی کے لئے خطباء و مقررین کی فہرست میں ان کا نام ہونا ہی کافی سمجھا جاتا تھا، اللہ نے آپ کو علم و فضل کے بلند مقام پر فائز کیا تھا، آپ کے اندر تواضع و انکساری کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ شہرت طلبی ریا و نمود اور خودنمائی سے آپ کو نفرت تھی۔ سادہ کھاتے، کھادی کپڑا اور گاندھی ٹوپی پہننے کے عادی تھے۔ آپ کا مطالعہ وسیع اور گہرا تھا۔ انگلش میں بھی آپ جرائد و رسالہ کو پڑھتے تھے۔ حیرت انگیز قوت حافظہ کے مالک تھے۔ ملک کے فلاح و بہبود و سالمیت کے لئے ہمیشہ خواہاں رہے۔ حسن اتفاق بغیر دعوت کے مدرسہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے گراؤنڈ پر موضع دیوان ضلع پرتاب گڈھ یوپی کے منہج صحابہ رضی اللہ عنہم کانفرنس میں اپنی پیرانہ سالی کے باوجود شریک ہوئے۔ جو آپ کے حق میں آپ کی کوشش یقیناً صدقۂ جاریہ ثابت ہوگی انشاء اللہ۔

آپ کا تعلق ضلع پرتاب گڈھ (یوپی) سے پرانا ہے، آپ تقریباً ۳۵ رسال سے دعوت و تبلیغ کی غرض سے شہر پرتاب گڈھ کے گاؤں گاؤں آیا کرتے اور کہتے کہ استاذ مولانا احمد اللہ المحدث پرتاب گڈھی کے علاقے سے مجھے بڑی محبت ہے۔ ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ موضع دیوان متو کے لوگوں نے آپ کو ایک جلسہ میں مدعو کیا لیکن کس سبب کی بنیاد پر آپ ضلع بستی سے پرتاب

گڈھ تاخیر سے پہنچے (یہ معلوم نہیں) سواری نہ ملنے کی وجہ سے آپ چلبلا سے دیون موسات کلومیٹر پیدل دو بجے رات میرے گھر پہنچے۔ قرآنی آیات تلاوت کرتے ہوئے کچھ دیر کے بعد حافظ محمد عثمان حافظ محمد عثمان کی صدا لگائی، والد صاحب بیدار ہوئے تو دیکھا کہ مفسر قرآن مولانا عبد القیوم رحمانی صاحب تشریف فرماہیں والد محترم نے والدہ صاحبہ (رحمہا اللہ) سے کہا کہ مولانا کے لئے کھانا تیار کرو والدہ صاحبہ (رحمہ اللہ) رات کے ڈھائی بجے کھانا تیار کر کے مولانا کی خدمت میں بھجوادیا۔ صبح کو جب منتظمین اجلاس کو معلوم ہوا کہ مفسر قرآن مولانا عبد القیوم رحمانی صاحب حافظ محمد عثمان کے گھر آ گئے ہیں تو دوڑے دوڑے آپ سے ملاقات کے لئے حاضر ہوئے۔

سلام وخیریت کے بعد آپ نے صرف اتنا فرمایا کہ اجلاس کرتے ہو مگر سواری کا بندو بست نہیں کرتے۔ مولانا رحمہ اللہ سے جب بھی میری ممبئی میں ملاقات ہوتی تو کہتے کہ میں نے آپ کو پہچانا، آپ حافظ محمد عثمان صاحب پرتاب گڈھی کے بیٹے محمود احمد فیضی ہو اور مجھے ہمیشہ یہ دعا دیتے کہ اللہ رب العالمین آپ کے علم وعمل میں اضافہ فرمائے۔ آمین۔ آپ کی نماز جنازہ مولانا عبد الحمید صاحب رحمانی حفظہ اللہ صدر مرکز ابوالکلام آزاد نئی دہلی نے پڑھائی۔ ایسی عظیم ہستی کا سانحہ ارتحال ملک وملت احباب جماعت کے لئے عظیم نقصان ہے اس موقعہ پر مولانا محمود احمد محمد عثمان فیضی واراکین مدرسہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ وجملہ اساتذہ غمزدہ ہیں۔ اللہ ان کے پس ماندگان کو صبر جمیل عطا کرے۔ ان کی تمام خطاؤں کو معاف فرما کر اعلیٰ علیین میں جگہ دے۔ (آمین)

☆☆☆

مفسر قرآن رحمہ اللہ کا اسلوب دعوت

مولانا شہاب الدین مدنی

رئیس مرکز السنۃ التعلیمی والخیری، لکھنؤ

شعور کی آنکھیں کھولنے کے بعد سے اب تک لفظ ''مفسر قرآن'' سنتے ہی جس شخصیت کا تصور پردۂ ذہن پر نمودار ہوتا تھا وہ ذات گرامی تھی حضرت العلام مولانا عبدالقیوم رحمانی رحمہ اللہ کی، گویا ''مفسر قرآن'' آپ کی شخصیت کا لازمہ بن چکا تھا اور لوگ نام کے بجائے آپ کو اسی لقب سے جانتے تھے، عوام وخواص کے درمیان ایسی پذیرائی بہت کم لوگوں کے حصے میں آئی ہے جو اللہ رب العزت نے مفسر قرآن کو عطا فرمائی تھی، آپ کی ذات گرامی ذہانت وفطانت کا بحر ذخار تھی تو آپ کا اسلوب خطاب بھی دلوں کو موہ لینے والا ہوتا تھا، بیک وقت کئی زبانوں پر دسترس کے باوجود تعلی، عجب اور کبر ونخوت جیسی صفات مذمومہ سے آپ کوسوں دور تھے، دوران خطاب قرآن مجید کی آیات موضوع کی مناسبت کے ساتھ جب تسلسل سے پڑھتے اور تمام نکات کی وضاحت کے ساتھ عام فہم زبان میں ترجمہ وتشریح کرتے تو آپ کی نکات آفرینی سے بڑے بڑے علماء بھی عش عش کر اٹھتے، ان نکات سے ایک ان پڑھ دیہاتی بھی اتنا ہی مستفیذ ہوتا جتنا ایک عالم دین، قرآن مجید کی ایک آیت میں اللہ رب العزت کا ارشاد ہے (ادع الیٰ سبیل ربک بالحکمۃ و الموعظۃ الحسنۃ وجادلھم بالتی ھی احسن) (سورۃ نمل: ۱۲۵) یعنی اپنے رب کی راہ کی طرف لوگوں کو حکمت اور بہترین نصیحت کے ساتھ بلائیے اور ان کو بہترین طریقے سے گفتگو کیجئے۔

مفسر قرآن رحمہ اللہ کے خطاب میں اس آیت کریمہ کا پرتو جھلکتا ہے، مذکورہ آیت کریمہ میں دعوت کے تین اسالیب بیان کئے گئے ہیں۔

۱۔ **حکمت** : ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حکمت سے مراد کتاب وسنت کی تعلیمات ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کے قلب اطہر پر نازل فرمایا۔ (تفسیر القرآن العظیم نحل/۱۲۵)

بعض مفسرین حکمت سے مراد دلائل و براہین حقہ اور آیات انفس و آفاق بھی لیتے ہیں، اسی طرح حکمت سے مراد مصائب ومحن اور مشکلات بھی ہیں جنہیں ایک داعی راہ تبلیغ میں خندہ پیشانی سے برداشت کرتا ہے، مفسر قرآن رحمہ اللہ کی تقاریر سننے والوں کو اچھی طرح معلوم ہوگا کی آپ کا خطاب قرآنی آیات، احادیث صحیحہ اور دلائل آفاق وانفس سے مزین ہوتا تھا، خطاب میں حکایات عجیبہ، روایات مکذوبہ اور جھوٹی من گھڑت کہانیوں کا سہارا قطعاً نہیں لیتے تھے بلکہ اس کو معیوب سمجھتے تھے، اسی طرح موصوف نے دعوت وتبلیغ دین کے راستے میں مصائب ومشکلات کا سامنا بھی کیا اور دور دراز کے سفر کی صعوبتوں کو برداشت کر کے تبلیغ دین کا فریضہ تا حیات انجام دیتے رہے، بلکہ آپ کی وفات حسرت آیات کا سبب بھی ایک حشر بداماں سفر ہی تھا۔

۲: **موعظۂ حسنہ** : مذکورہ آیت میں دعوت وتبلیغ کا دوسرا اسلوب یہ بتایا گیا ہے کہ کار دعوت موعظۂ حسنہ کے ذریعہ ہو، یعنی تقریر وتحریر کے اندر رفق و ملائمت ہو اور اس میں سامعین ومخاطبین کے استعداد ذہنی کو ملحوظ رکھا گیا ہو، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب حاضرین کو خطاب فرماتے تو سبھی کو بقدر ضرورت آپ سے وعظ ونصیحت کی بات مل جاتی، یہی طریقہ واسلوب مفسر قرآن رحمہ اللہ کا بھی تھا موعظۂ حسنہ آپ کے خطاب کا خاص عنصر ہوتا تھا اس سے تمام ہی سامعین مستفیذ ہوتے قرآن مجید میں جو اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے (**ولقد یسرنا القرآن للذکر فھل من مدکر**) (سورۃ القمر: ۱۷، ۲۲، ۳۲) یعنی ہم نے قرآن کو نصیحت کے لئے آسان بنایا ہے تو کیا ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا؟ مفسر قرآن رحمہ اللہ کے خطاب میں قرآنی آیات کی تفسیر وتشریح کے وقت علم وتہذیب سے نا آشنا ایک ان پڑھ دیہاتی پکار اٹھتا واقعی قرآن تو بہت آسان ہے اس کی ہر بات نہ صرف یہ کہ سمجھ میں آنے والی ہے بلکہ دلوں کو جھنجھوڑنے والی بھی ہے۔

۳: **جدال أحسن** : یعنی درشتی اور تلخی سے اجتناب کرتے ہوئے نرم ومشفقانہ لہجہ اختیار کرنا، الزام تراشی اور بہتان بازی سے بچتے ہوئے فریق مخالف کو دلائل و براہین سے قائل

کرنے کی کوشش کرنا، مفسر قرآن رحمہ اللہ مختلف فیہ مسائل میں تاحیات اسی روش پر گامزن رہے، وہ فریق مخالف کو کتاب وسنت کے دلائل سے مطمئن کرنے کی کوشش فرماتے اور طعن وتشنیع کے تیر چھوڑنے کے بجائے قرآن وحدیث کے دلائل کی گل پاشی فرماتے جس کی وجہ سے عوام وخواص ہمیشہ آپ کے گرویدہ رہے، بسا اوقات برمحل دیہاتی امثال سے پوری مجلس زعفران زار ہو جاتی اور اسلوب آپ کا اتنا موثر اور دلپذیر ہوتا کہ سننے والوں کا دل بیساختہ پکار اٹھتا۔

اثر لبھانے کا واعظ تیرے بیان میں ہے ☆ کسی کی آنکھ کا جادو تیری زبان میں ہے

آپ سے میری آخری ملاقات ۱۹ مئی ۲۰۰۸ء کو پرتاب گڈھ میں مدرسہ ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ کے زیر اہتمام منعقدہ اجلاس عام میں ہوئی، پیرانا سالی کے باوجود آپ کے اندر ضعف و اضمحلال اور سفر کی تکان کا کوئی شائبہ نظر نہیں آرہا تھا، آپ کی آمد پر لوگ دوڑے لپکے کہ حضرت آپ کے لئے بستر لگا دیں تھوڑی دیر آرام فرمالیں لیکن آواز کی اپنی کھنک کے ساتھ۔ جو آپ کی شناخت تھی۔ فرمایا نہیں میں ٹھیک ہوں، اجلاس کب شروع ہوگا؟ چلو اسٹیج پر بیٹھتے ہیں، پھر ما حضر تناول فرمانے کے بعد کرسی پر نہیں بلکہ اسٹیج کے تخت پر بیٹھ کر ہی اجلاس کی صدارت فرمائی اور آخر میں ایک بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا، ہمیں کیا معلوم تھا کہ حکمت و دانائی کا گہر لٹانے والی ہستی ہم سے جلد ہی جدا ہونے والی ہے ورنہ اس آخری صحبت کو طول دیکر علم وآگہی کے موتی اپنے دامن میں سمیٹنے کی مزید کوشش کرتا۔

آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی مساعی جمیلہ کو قبول فرمائے، دعوت دین کے راستے میں پیش آنے والی صعوبتوں ومشقتوں کو آپ کے لئے ذریعہ نجات بنائے، برزخ کی منزل میں راحت وآرام کا سامان بہم پہنچائے اور بشری لغزشوں کو معاف کرتے ہوئے جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ (آمین)

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے ☆ سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

مفسر قرآن بعض علماء وأقران کی نظر میں

مولانا عبدالحکیم عبدالمعبود مدنی

(۱) ''عصر حاضر میں ایسی باکمال شخصیتیں بہت کم ہیں، مولانا عبدالقیوم رحمانی جیسی عالمی شخصیت کا اٹھ جانا جماعت وجمعیت کے لئے بہت بڑا خسارہ ہے، موصوف دارالحدیث رحمانیہ دہلی کے تربیت یافتہ بلند پایا عالم دین تھے، خطابت کے جداگانا اسلوب نے ان کو ہندوستان میں ہردل عزیز بنادیا تھا، مولانا داعیانہ جذبہ سے سرشار تھے اور دعوت وارشاد کے فروغ میں نمایاں کامیابی حاصل کی، ایک مرتبہ جمعیت احیاء التراث الاسلامی کویت بھی تشریف لائے اور اپنے دعوتی وعلمی مشن کو یہاں بھی جاری رکھا''۔

(شیخ طارق سامی سلطان العیسی، جمعیۃ احیاء التراث الاسلامی، کویت)

(۲) ''شیخ موصوف گراں قدر اوصاف حمیدہ کے حامل تھے، ان کے زہد وورع کو دیکھ کر تاریخ اسلام کی بعض اہم شخصیتوں کی یاد تازہ ہوجاتی تھی، قرآن کریم کی زبان میں ''**سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود**'' کا مصداق اور ایک بے لوث خادم دین تھے، شیخ کی رحلت ایک بڑا دینی، ملی، جماعتی اور دعوتی خسارہ ہے''۔

(شیخ ابو خالد فلاح المطیری، لجنۃ القارۃ الھندیۃ، کویت)

(۳) ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں قرآن وحدیث کے پیغام کو عام کیا، میدان خطابت کے شہسوار تھے، اللہ تعالی نے انہیں بے پناہ علمی صلاحیتوں سے نوازا تھا، غضب کا ذہن اور حافظہ بھی عطا کیا تھا، قرآن کریم کی آیتوں اور حدیثوں کا استحضار کسبی نہیں وہبی معلوم ہوتا تھا''۔

(مولانا اصغر علی امام مہدی، ناظم عمومی مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند)

(۴) ''مولانا عبدالقیوم رحمانی جماعت اہل حدیث کے ممتاز اور بزرگ علماء میں سے تھے، انہوں نے پوری زندگی دعوت وتبلیغ میں صرف کی، مولانا استعماری طاقت کے خلاف اور آزادئ وطن کے

لئے لڑنے والے صف اول کے مجاہدین آزادی میں تھے، قرآن کریم سے خصوصی شغف کی وجہ سے انہیں مفسر قرآن کے لقب سے یاد کیا گیا، موصوف دارالحدیث رحمانیہ دہلی کے آخری چراغوں میں سے تھے''۔

(مولانا عبدالوہاب خلجی، سابق ناظم عمومی مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند)

(۵) ''حضرت مولانا عبدالقیوم رحمانی رحمہ اللہ ایک باکمال خطیب اور قادر الکلام بیباک مقرر تھے، وہ مجتہدانہ بصیرت اور خدا داد حافظہ کے مالک تھے، اور مختلف مذہبی و سیاسی موضوعات پر برجستہ بولنے اور اظہار خیال پر انہیں کامل دسترس حاصل تھی، ان کی وفات ملک وملت کے لئے عظیم سانحہ ہے''۔

(مولانا عبدالحنان فیضی مفتی وشیخ الحدیث جامعہ سراج العلوم السلفیہ، جھنڈا نگر، نیپال)

(۶) مولانا رحمہ اللہ جیسے اوصاف و خصائل کے حامل افراد بہت تھوڑے ہیں، اور ان میں ان کی دعوتی عظمت کا برابر معترف رہا، ہمارے گھر میں برابر ان کی درویشانہ زندگی کا چرچا رہتا ہے''۔

(مولانا عارف جاوید محمدی، نزیل کویت)

(۷) مولانا عبدالقیوم رحمانی رحمہ اللہ ہمارے بزرگوں کی صف میں نمایاں حیثیت کے حامل تھے، انہیں اللہ نے اصلاح معاشرہ کا درد عطا کیا تھا، وہ ہمیشہ دوران خطاب و گفتگو یہی کہتے تھے کہ امت قرآن کی طرف متوجہ ہو اس کی تعلیمات کو گلے سے لگائے اور اطاعت رسول کے جذبہ سے سرشار ہو کر مالک حقیقی کی بندگی کا حق ادا کرے''۔

(مولانا عبداللہ مدنی، صدر مرکز التوحید، کرشنا نگر، نیپال)

(۸) آپ بحیثیت عالم دین بہت نمایاں اور قد آور شخصیت کے مالک تھے، آپ کے علم کے استناد کے لئے 'رحمانی' ہی کافی ہے، آپ کا منبع علم قرآن تھا اور اسی کی روشنی میں چلتے پھرتے تھے، اس لئے آپ کو مفسر قرآن کا خطاب ملا''۔

(مولانا عزیز عمر سلفی، مدیر ماہنامہ ''نوائے اسلام'' دہلی)

(۹) ''آپ ایک ایسے صاحب طرز خطیب تھے جن کی خطابت ایک عالم کو مسحور کر دیا کرتی تھی، نیز ایک ممتاز مجاہد آزادی بھی تھے''۔ **(سہیل انجم)**

(۱۰) عبد القیوم صاحب رحمانی رحمہ اللہ سے میں بچپن ہی سے اچھی طرح سے متعارف رہا، میں نے ہمیشہ آپ کو تلاوت قرآن پاک میں مشغول پایا، کھانے پینے، پہننے اور طرز گفتگو میں نمونہ سلف تھے، تکلفات سے ہمیشہ کنارہ کش رہتے، نیز نہایت بے باک اور حق گو انسان تھے''۔

(مولانا عبد الرشید مدنی، استاذ جامعہ سراج العلوم السّلفیہ، جھنڈا نگر، نیپال)

(۱۱) ''آپ اللہ تعالی کے برگزیدہ بندے، باعمل عالم دین اور دار الحدیث رحمانیہ دہلی کے گل سر سبد تھے''، پڑھنے لکھنے کا شوق رکھتے تھے اللہ کا حمد برابر ورد زبان رکھتے تھے۔ **(مولانا ابو بلال)**

(۱۲) ''تواضع وانکساری میں اپنی مثال آپ تھے جماعت اہل حدیث کے خطیب خوش نوا، مسلک سلف کے ترجمان اور ہمہ وقت ذکر الٰہی میں محو رہتے تھے''۔ **(مولانا شفیع اللہ مدنی، استاذ جامعہ سراج العلوم، جھنڈا نگر، نیپال)**

(۱۳) آپ سلف صالحین کے متبع اور بقیۃ السلف تھے، قرآنی نکات اور رموز کو عوامی انداز میں بیان کرنے میں مہارت تامہ حاصل تھی اور مجالس میں صرف علمی اور دعوتی امور پر گفتگو فرماتے تھے''

(مولانا محمد نسیم مدنی، رئیس مرکز السنہ، ایکلا، نیپال)

☆☆☆

مفسر قرآن، صاحب طرز خطیب، مجاہد آزادی مولانا عبدالقیوم بستوی رحمانی رحمہ اللہ کی وفات

محمد ابراہیم سجاد تیمی : رکن مجلس ادارت ''التبیان''

دنیا دار فانی ہے۔انسان بھی اس فطری اصول سے مستثنیٰ نہیں۔ چنانچہ ہزاروں افراد یہاں روزانہ جنم لیتے ہیں اور سیکڑوں افراد اپنی حیات مستعار کے ماہ وایام گزار کر دار بقا کی طرف روانہ ہو جاتے ہیں۔ان میں بیشتر افراد ایسے ہوتے ہیں جنہیں چند دنوں میں زمانہ بھلا دیتا ہے مگر کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جن کو زمانہ صدیوں بھلانہیں پاتا۔ان کے کارہائے نمایاں کا فیضان ان کے مرنے کے بعد بھی جاری رہتا ہے۔ان کی یاد لوگوں کے اذہان وقلوب میں نقش ہو جاتی ہے۔مولانا عبدالقیوم بستوی رحمانی رحمہ اللہ ایک خاص انداز کے خطیب اور عظیم مجاہد تھے۔

انہوں نے ۲۸ رمئی ۲۰۰۸ء بروز بدھ بوقت ۱۲ ربجے دن لکھنو میں جہاں انہیں علاج کے لئے لے جایا گیا تھا فرشتہ ءاجل کو لبیک کہا اور ملت اسلامیہ کو عموماً اور جماعت اہلحدیث کو خصوصاً سوگوار چھوڑ گئے، وہ ان انسانوں میں سے تھے جو یاد رکھے جائینگے اور جن کی اولوالعزمی اور عظیم اصلاحی کارنامے انکی یاد دلاتے رہیں گے۔

مولانا عبدالقیوم رحمانی رحمہ اللہ نے ۲۰ رجنوری ۱۹۱۸ء کو زین اللہ رحمہ اللہ کے گھر اور گاؤں دودھنیا بزرگ، ڈاک خانہ بڑھنی بازار، ضلع بستی (سدھارتھ نگر) اتر پردیش میں آنکھیں کھولیں۔وہ ایک معزز گھرانے کے چشم و چراغ تھے۔ان کے جد امجد مجھولی راج (دیوریا) کے مہاراجا بودھ مل تھے ''بیسین باٹیکا'' مطبوعہ ۱۸۸۷ء مصنف کھڑک بہادر مل بیسین میں بودھ مل کا تذکرہ مجھولی کے ۱۰۹ ویں راجہ کے طور پر کیا گیا ہے۔جنہوں نے مذہب اسلام قبول کرنے کے بعد

اپنا نام ''محمد سلیم'' رکھ لیا تھا۔انہیں کے نام پر دیوریا میں سلیم پور قصبہ اور ریلوے اسٹیشن آج بھی موجود ہے۔

حصول علم و فن کے میدان میں :

مولانا عبدالقیوم رحمہ اللہ نے تعلیم کی بسم اللہ اپنے آبائی گاؤں میں ہی کی۔ابتدائی تعلیم انہوں نے اپنے گاؤں سے متصل سیورا البستی میں حاصل کی بعدازاں وہ ہند۔نیپال کی سرحد پر واقع مدرسہ سراج العلوم جھنڈا نگر، کرشنا نگر، نیپال چلے گئے اور عربی اور فارسی کی ایک سال تک ابتدائی تعلیم حاصل کی اس کے بعد تقسیم ہند سے قبل کی عالمی یونیورسٹی ''دارالحدیث رحمانیہ'' دہلی میں داخلہ لے کر آپ نے ۱۹۴۰ء میں فضیلت کی سند حاصل کی۔اس کے بعد آپ نے دہلی کی فتح پوری مسجد میں داخلہ لے کر پنجاب بورڈ سے مولوی اور فاضل کی ڈگری حاصل کی۔دارالحدیث رحمانیہ میں رہتے ہوئے آپ نے شیخ الحدیث مولانا احمد اللہ قریشی پرتاپ گڈھی، جامع المنقول والمعقول علامہ نذیر احمد رحمانی اعظمی، شیخ الحدیث علامہ عبیداللہ رحمانی مبارکپوری، مولانا سکندر علی ہزاروی اور مولانا عبدالغفور بسکوہری رحمہم اللہ اجمعین جیسی یگانہء روزگار ہستیوں کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کر کے علم وعمل کے لعل و جواہر سے اپنے دامن مراد کو بھر لینے کا شرف حاصل کیا جب کہ مسجد فتح پوری میں آپ نے مولانا سعید احمد اکبرالہ آبادی اور مولانا عاشق الٰہی رحمہما اللہ سے بھرپور استفادہ کیا۔

زمانہء طالب علمی کے دوران ہی ''ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات'' کے مصداق آپ کی ذہانت وفطانت اور صلاحیت وصالحیت کی دھوم مچ گئی تھی۔مولانا عبدالقیوم رحمانی رحمہ اللہ کو نہ صرف یہ کہ اردو، عربی اور فارسی زبانوں پر دسترس حاصل تھی بلکہ ہندی اور انگریزی سے بھی واقف تھے۔

میدان عمل میں :

جس زمانہ میں مولانا دارالحدیث رحمانیہ میں تعلیم حاصل کر رہے تھے، پورے ملک میں آزادئ ہند کی تحریک زور وشور سے چل رہی تھی۔آزادئ ہند کے متوالوں کا مرکز چونکہ ''دہلی'' تھی

اس لئے یہاں پر آزادی کی گونج پورے ملک کی بہ نسبت کچھ زیادہ ہی سنائی دے رہی تھی۔ آزادی کے شیدائیوں کو طرح طرح کی سزائیں دی جا رہی تھیں۔ انہیں کالا پانی وغیرہ مقامات پر بھیج کر ان پر انسانیت سوز مظالم ڈھائے جاتے تھے۔ ان سب مظالم اور حوادث زمانہ نے مولانا کے ذہن و دماغ کو بری طرح جھنجوڑ کر رکھ دیا۔ نتیجتاً آپ بھی کاروانِ تحریکِ ازادی میں شامل ہو گئے۔ جب گاندھی جی نے ''انگریزو! بھارت چھوڑو'' کا نعرہ دیا تو مولانا بھی تحریکِ آزادیٔ ہند میں شامل ہو گئے۔ کانگریس کے ذریعے چلائی جا رہی تحریکوں اور پروگراموں میں شریک ہونے کی وجہ سے آپ انگریزی حکومت کی نظر میں آ گئے اور برٹش حکومت کے کارندوں نے آپ کو آپ کے آبائی وطن سے گرفتار کر لیا، آپ کو بستی جیل میں رکھا گیا پھر گورکھپور اور پھر الہٰ آباد کے نینی جیل میں مورخہ ۲۲/۸/۱۹۴۲ء سے لے کر ۲۲/۵/۱۹۴۳ء تک آپ کو قید رکھا گیا۔ آپ کو نینی جیل میں لال بہادر شاستری، فیروز گاندھی، مولانا حسین احمد مدنی، پنڈت سندر لال، مظفر حسین، ڈاکٹر کاٹجو، پرشوتم داس ٹنڈن، وشمبھر دیال، کملا پتی ترپاٹھی وغیرہ مشہور و معروف سیاست دانوں اور مجاہدین آزادی کے ساتھ رہنے کا شرف حاصل ہوا۔ مولانا کی بیرک کو مجاہدینِ آزادی کے لئے لکچر روم کے طور پر استعمال میں لایا جاتا تھا جہاں تمام کانگریسی لیڈر جمع ہو کر آزادی کی لڑائی کیوں لڑی جا رہی ہے؟ ہمیں کیا کرنا ہے؟ جیسے اہم موضوعات پر بحث و مباحثہ اور تبادلہء خیال کیا کرتے تھے۔ نینی جیل سے رہا ہونے کے بعد وہ پوری طرح سے آزادیٔ ہند کی تحریک میں نئے جوش و ولولہ اور امنگوں کے ساتھ لگ گئے اور ایک بار دو مہینے لکھنؤ جیل میں بھی نظر بند رہے۔ مولانا کے بقول نینی جیل لے جاتے ہوئے گورکھپور کے ایک چھوٹے کمرہ میں ان کو اور کئی مجاہدین آزادی کو ۲۴ گھنٹوں تک رکھا گیا جو دس سال کی سزا کے برابر تھا۔

تحریک آزادی ہند میں سرگرم شرکت کے ساتھ ساتھ آپ نے تعلیم کی نشر و اشاعت پر بھی بے حد زور دیا اور ضلع بستی میں ہی اہل خیر کے تعاون سے بڑھنی میں ۱۹۴۶ء میں ''گاندھی

آدرش ودیالیہ'' کی بنیاد رکھی جس کو ۱۹۴۸ء میں ہائی اسکول اور بعد میں انٹر کالج کی حیثیت سے منظوری مل گئی۔ یہ کالج آج بھی سرگرم عمل ہے۔ مولانا رحمہ اللہ ۱۹۶۲ء میں اس کالج کے ناظم ومہتمم بھی رہے اور اپنے دور انتظامی میں بھگوتی پرساد چودھری، گیا پرساد شاہ اور مہدی حسن۔۔۔ جیسے علاقہ کے معزز لوگوں کی امداد وتعاون سے ۱۶/۱ ایکڑ زمین خرید کر کالج کو وقف کردی۔ اسلامی تعلیمات کے فروغ واشاعت کے مقصد سے مولانا رحمہ اللہ نے موضع اکرہرا ضلع سدھارتھ نگر سابق بستی یوپی میں اپنے احباب واقرباء کی مدد سے ''درسگاہ اسلامی'' کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا جو آج بھی چل رہا ہے۔ مدرسہ سراج العلوم جھنڈا نگر نیپال کو ایک بڑے ادارہ کی شکل میں آگے بڑھانے کے کاز میں خطیب الاسلام مولانا عبدالرؤف رحمانی رحمہ اللہ کی تحریک کی بھرپور حمایت کی اور خود اس ادارہ کے ۲۵ سال تک صدر رہے، اقلیتوں میں ماڈرن ایجوکیشن (جدید تعلیم) کو فروغ دینے کے مقصد سے ایک عصری درس گاہ ''ہائر سکنڈری اسکول'' کے نام سے موضع مہدئیا میں جو سدھارتھ نگر کے قریب واقع ہے قائم کیا جو ضلع کا تسلیم شدہ ہائی اسکول ہے۔

علوم ومعارف قرآنیہ میں مولانا رحمہ اللہ کا کمال:

مولانا عبدالقیوم رحمہ اللہ علوم ومعارف قرآنیہ کے ملک وبیرون ملک میں مستند عالم کی حیثیت سے جانے جاتے تھے۔ انہوں نے قرآن کریم کی تفسیر بھی لکھی تھی مگر افسوس کہ وہ زمانہ کے دستبرد کی نذر ہوگئی اور منظر عام پر نہیں آسکی۔ علوم حدیث میں بھی مولانا رحمہ اللہ کو دسترس حاصل تھی۔ اندرون ملک بے شمار علماء کرام نے تو ان سے علوم قرآن وحدیث حاصل کیا ساتھ ہی بیرون ملک کے بھی بہت سے علماء نے ان کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا اور ان سے بھرپور استفادہ کیا۔ سعودی عرب اور کویت کے بہت سے علماء آپ سے ملنے ہندستان آئے اور مہینوں مولانا کے آبائی گاؤں میں قیام فرما کر ان سے تعلیم حاصل کی اور سندِ حدیث لی۔ علاوہ ازیں سعودی عرب اور کویت کے علوم حدیث سے دلچسپی رکھنے والوں نے مولانا کو سعودی اور کویت میں مدعو کیا۔ دونوں ملکوں میں

مولانا کی خوب آؤ بھگت ہوئی۔ نیز بحرین، افغانستان، صومالیہ، پاکستان، سعودی عرب، کویت، مصر وغیرہ ممالک کے طلبہ نے بھی مولانا سے سندِ حدیث حاصل کی۔

مولانا رحمہ اللہ کے علمی اثرات :

اس طرح معلوم ہوتا ہے کہ مولانا رحمہ اللہ سے تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ وعلماء کا پوری دنیا میں جال بچھا ہوا ہے۔ ان کے علوم وفنون کی روشنی پوری دنیا کے گوشہ گوشہ تک پہنچ چکی ہے۔

مولانا کی شہرت علمی چہار دانگ عالم میں پھیل چکی ہے۔ اندرون ملک خصوصی طور پر اتر پردیش، جھارکھنڈ، بہار، مغربی بنگال، مہاراشٹر، آندھرا پردیش، کرناٹک اور گجرات وغیرہ ریاستوں میں آپ کا نام محتاج تعارف نہیں۔ آپ کی شہرت ایک قومی زعیم اور مذہب اسلام کی گہری جانکاری رکھنے والے بے مثال عالم دین کی ہے۔ مولانا اوران کے ساتھیوں ہی کی دین ہے کہ آج بھی بستی، سدھارتھ نگر، بلرام پور اور مہراج گنج وغیرہ فرقہ وارانہ ہم آہنگی کا نمونہ ہیں۔ آپ انسانیت کے بارے میں آفاقی خیالات رکھتے تھے۔

مولانا رحمہ اللہ اپنے مسلک اور افکار و خیالات کے آئینہ میں :

مولانا رحمہ اللہ مسلکاً پختہ اہل حدیث تھے۔ اہل حدیثیت اور اپنے اسلاف کرام رحمہم اللہ اجمعین کی بابت غیرت ان میں کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ تاہم وہ دوسرے مسلکوں کے متبعین کے تئیں جذبہ احترام رکھتے تھے۔ سماجی افکار وخیالات کے باب میں وہ مولانا ابوالکلام آزاد اور گاندھی جی کے اصول عدم تشدد سے کافی متاثر تھے۔ تقسیمِ ہند کو وہ برطانیہ کی سازش گردانتے تھے۔ نو بھارت ٹائمس، ممبئی ایڈیشن کے ۲۵/ اگست ۲۰۰۶ء کے شمارہ ص ۲ میں مولانا کی تصویر کے ساتھ ایک رپورٹ شائع ہوئی تھی۔ ذیل میں اس کا خلاصہ پیش کیا جارہا ہے جس سے مولانا کے افکار وخیالات کا نمونہ پوری طرح سامنے آجائے گا۔

رپورٹ میں لکھا گیا:

''ملک میں پنپ رہی دہشت گردی کا خاتمہ صرف اور صرف مولانا آزاد اور گاندھی جی کے آپسی بھائی چارہ کے راستہ سے ہی ہو سکتا ہے، مجاہد آزادئ ہند مولانا عبدالقیوم رحمانی جہاں جاتے ہیں، یہ پیغام دینا نہیں بھولتے ہیں۔ ۱۹۴۷ء کی فیصلہ کن جنگِ آزادی میں سرگرم وفعال کردار ادا کرنے والے مولانا کا شمار آج دنیا میں اسلام کے چنندہ اسکالروں میں ہوتا ہے۔ جمعہ کو عمرہ کرنے جا رہے مولانا آج کل ممبئی میں ہیں۔ پاکستان تو برطانیہ کی سازش کا نتیجہ ہے اور آج امریکہ اور اس کے کٹھ پتلی تانا شاہ ہندستان کو دبانے کی سازش کر رہے تھے، پوری دنیا کو ماننا پڑے گا کہ گاندھی کا راستہ ہی موجودہ مسائل سے نجات دلائے گا''۔

مولانا کے اخلاق اور آپ کا جذبۂ حب الوطنی:

مولانا رحمہ اللہ اخلاقِ فاضلہ اور صفات کریمانہ کے حامل انسان تھے۔ آپ کے اعلیٰ اخلاق کے نمونے آپ کے علاقہ میں زبان زد خاص وعام ہیں۔ انسانوں کی بھلائی ہمہ دم آپ کے پیش نظر رہتی تھی۔ آپ ''و یوثرون علی انفسهم ولو کان بهم خصاصة'' کے پیکر مجسم تھے۔ سادگی، پاکیزہ نفسی، صالحیت اور دوسروں کو اپنے مفادات پر ترجیح دینے کا جذبہء فراواں، دنیوی جاہ ومنصب سے کنارہ کشی، عبادت وبندگی، خشوع وخضوع، خلوص وللّٰہیت ان کے گلشن زندگی کے ایسے سدا بہار پھول ہیں، جن کی رعنائی وزیبائی، دلکشی ودلفریبی اور خوشبو تا ابد اس کارگاہ ہستی کو مہک کر ان کی بلند اخلاقی کا پتہ دیتی رہے گی۔ ذیل میں ان کی اعلیٰ اخلاقی وخوش خصالی کی دو ایک مثالیں نقل کی جا رہی ہیں جن سے سمجھ میں آجائے گا کہ مولانا جیسے بلند پایہ انسان روز روز پیدا نہیں ہوتے بلکہ ؎

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

مشہور ہے کہ مولانا رحمہ اللہ نے گاؤں جھنگھواں کی اپنی زمین سے کچھ زمین گاؤں کے لوگوں کو کھیتی باڑی کے لیئے دے رکھی تھی۔ان میں سے ایک کلپو بھگت نام کے ایک آدمی کے پاس بھی سوا نو ایکڑ زمین تھی جس سے وہ اپنی روزی روٹی کا انتظام کرتا تھا۔مولانا کے چھوٹے بھائی عبدالعزیز نے کسی بات پر اس کو زمین سے بے دخل کرنے کی بات کی تو بھگت نے مولانا کے پاس جاکر اپنی فریاد رکھی۔مولانا اپنے بھائی سے بے حد ناراض ہوئے۔خط لکھ کر بھائی کو تاکید کی کہ کسی کو پریشان نہ کیا جائے۔کلپو بھگت اب زندگی بھر کھیت کے مالک رہیں گے اور ان سے سرکاری خراج بھی نہ لیا جائے۔

اسی طرح پہلی چک بندی کے وقت مولانا کی زمین پر لکڑ داس نامی سادھو نے باغ لگا لیا۔مولانا کے گھر والوں نے بھی دھیان نہیں دیا کہ ان کی زمین کہاں سے کہاں تک ہے۔جب چک بندی والوں نے پیمائش کی تو سادھو کا لگایا ہوا باغ مولانا کی زین پر پڑ گیا۔سادھو بہت پریشان ہوا۔وہ مولانا سے ملا اور اپنی بات کہی۔انہوں نے کہا کہ یہ سادھو آدمی ہے۔اس نے بڑی محنت سے باغ لگایا ہے اس لیئے اسے باغ سے بے دخل نہ کیا جائے۔مولانا خود چک بندی کے آفس میں گئے اور سادھو کے حق میں بیان دے کر زمین سادھو کے نام کروادی۔

غریبوں کی مدد کرنے کا تو ان کا بالکل نرالا انداز تھا۔سبزی، شہد، کپڑا وغیرہ کے تاجر مولانا کی تلاش میں رہتے اور موقع پاتے ہی اپنا سامان منہ مانگی قیمت پر ان کے پاس بیچ دیتے تھے اور مولانا بھی خوشی کے ساتھ خرید لیا کرتے تھے۔گھر والوں اور ملنے جلنے والوں کے لاکھ منع کرنے پر بھی مولانا خریداری سے باز نہیں آتے تھے۔گھر والے جب یہ کہتے تھے کہ اتنے سامان کی ضرورت نہیں ہے تو سخت تیور میں جواب دے کر خاموش کر دیتے کہ یہ چھوٹے موٹے تاجر ہیں، انکا سامان خرید کر ان کی مدد کرنی چاہیئے، ایک موچی تو ہر روز پرانی چپل پر پالش کر کے نیئے کا دام لیا کرتا تھا۔

مولانا رحمہ اللہ کی حب الوطنی بھی بے مثال تھی۔ اپنے وطن سے مولانا کو جتنی محبت تھی اور جس طرح انہوں نے اس محبت وطن کو برتا، وہ مسلمانوں کو غدار وطن کہنے والوں کے لئے ایک سبق ہے۔ مولانا کی بےلوث حب الوطنی کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ آپ کے قریبی رشتہ دار عید اور شادی وغیرہ کے مواقع پر نیپال سے کپڑا وغیرہ لینے آتے اور مولانا کے گھر رکنے کی کوشش کرتے۔ ایک بار ان کے سسرال والے بھی اسی مقصد سے آئے تو انہوں نے گھر میں مہمانوں کے سامنے واضح الفاظ میں کہہ دیا کہ غیر ملکی سامان لے کر رشتہ دار رات میرے یہاں ٹھہرنے کے لئے نہ آئیں۔ میرا گھر اسمگلروں کا اڈہ نہیں ہے میں کھادی پہنتا ہوں، غیر ملکی سامان میرے گھر نہ لایا جائے مولانا کی یہی دو خوبیاں تھیں جن کی بنا پر مسلمان تو مسلمان، غیر مسلم حضرات بھی انہیں اپنے لئے اسوہ مانتے تھے۔ تمام مذاہب وادیان کے ماننے والے لوگ مولانا کا یکساں احترام کرتے تھے۔

مولانا کا فیملی بیک گراؤنڈ اور ان کی آل اولاد :

جیسا کہ مضمون کے آغاز میں کہا گیا ہے، مولانا عبدالقیوم رحمانی رحمہ اللہ زین اللہ رحمہ اللہ کے فرزند ارجمند تھے۔ زین اللہ کا انتقال غالباً ۱۹۸۳ء یعنی ۲۵ سال پہلے اور مولانا کی اماں جان کی وفات ۱۹۸۸ء یعنی ۲۰ سال پہلے ہوئی ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سینٹر کے بانی ومؤسس و صدر مولانا عبدالحمید رحمانی حفظہ اللہ وتولاہ کے بقول مولانا عبدالقیوم رحمانی کے تین بھائی اور ایک بہن تھی۔ بھائیوں کے نام باب اللہ، عبدالعزیز اور شبیر رحمہم اللہ تھے جبکہ بہن کا نام ہاجرہ تھا۔

مولانا کے اخلاف میں درج ذیل افراد ہیں :

۱۔ بدر عالم بن عبدالقیوم، انہوں نے بی۔ اے اور ایل۔ ایل۔ بی۔ کیا ہوا ہے۔

۲۔ مسعود عالم بن عبدالقیوم ان کی عمر فی الوقت ۴۰ سال ہے۔ جھنگھواں میں سکونت پزیر ہیں۔ یہ بی۔ اے۔ اور بی۔ ایڈ ہیں۔

۳۔ حیدر عالم بن عبدالقیوم، انہوں نے ہائی اسکول اور انٹرمیڈیٹ تک کی تعلیم حاصل کی ہے یہ دودھونیاں کے سابق پردھان رہ چکے ہیں۔

۴۔ ظہیر عالم بن عبدالقیوم، انہوں نے بھی انٹرمیڈیٹ پاس کیا ہے۔ فی الوقت ان کی عمر ۳۸ سال ہے۔

۵۔ قمر عالم بن عبدالقیوم، انہوں نے بی۔ اے۔ کیا ہے ان کی عمر فی الوقت ۳۰ سال ہے۔

مولانا رحمہ اللہ کی تین بیٹیاں تھیں:

۱۔ فاطمہ بنت عبدالقیوم ان کا انتقال ہو چکا ہے۔ ان کی تین بیٹیاں اور ایک بیٹا ہے۔

۲۔ رضیہ بنت عبدالقیوم، باحیات ہیں ان کے چار بیٹے اور چھ بیٹیاں ہیں۔

۳۔ صفیہ بنت عبدالقیوم، بقید حیات ہیں۔ ان کے دو لڑکے اور پانچ بیٹیاں ہیں۔

مولانا کے تمام بیٹے بھی ماشاء اللہ صاحب اولاد ہیں اور تمام اپنی اپنی جگہ کامیاب زندگی گزار رہے ہیں۔

مولانا عبدالقیوم رحمانی رحمہ اللہ ۸۹ سال کے تھے۔ معمولی بیماری کے بعد علاج کی غرض سے انہیں لکھنؤ نرسنگ ہوم لے جایا گیا لیکن علاج شروع ہونے سے قبل ہی ان کی روح قفص عنصری سے پرواز کر گئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ جسد خاکی لکھنؤ سے ۲۹ مئی ۲۰۰۸ء بروز بدھ ان کے بڑے بیٹے کانگریس لیڈر ومعروف سماجی کارکن بدر عالم خان لے کر دودھونیاں سدھارتھ نگر پہنچے جنازہ ۲۹ مئی کو ساڑھے نو بجے رات میں دودھونیاں پہنچا اور ۳۰ مئی بروز جمعرات صبح ساڑھے نو بجے ان کی تدفین عمل میں آئی۔

صلاۃ جنازہ ان کے بیٹوں، اعزہ اور جماعت کے اصرار پر ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سینٹر کے بانی وصدر مولانا عبدالحمید رحمانی حفظہ اللہ وتولاہ نے پڑھائی۔ جنازہ کی صلاۃ اور عمل تدفین میں انسانوں کے ایک جم غفیر نے شرکت کی اور اپنی اشک بار آنکھوں سے ملت اسلامیہ کے عظیم

سپوت، مفسر قرآن، خطیب دوراں، مجاہد آزادی اور محبوب قائد ورہنما کو الوداع کہا۔

آسماں تیری لحد پہ شبنم افشانی کرے

سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

مولانا عبدالقیوم رحمانی بن زین اللہ رحمہ اللہ کی سوانح کی ایک مختصر سی جھلک یہاں دکھائی گئی ہے۔ ان کی زندگی کے تمام گوشوں پر روشنی ڈالنے کے لئے ایک ضخیم کتاب کی ضرورت ہے کیوں کہ مولانا کی شخصیت ہمہ جہت وہمہ پہلو تھی۔ ان کی علمی وعملی زندگی پر اس مختصر سے مضمون میں پوری طرح روشنی نہیں ڈالی جاسکی۔ یہ کام ارباب فکر ونظر بالخصوص اہلحدیثان ہند کا ہے کہ وہ اپنے اس عظیم سپوت کی زندگی کے گوشہ پر لکھیں تاکہ دنیا یہ جان سکے کہ اہل حدیثان ہند کے یہاں کتنی بڑی شخصیات پیدا ہوئی ہیں جنہوں نے مذہب وانسانیت دونوں کی خاطر خواہ خدمات کی ہیں۔

اللہ سے دعا ہے کہ وہ مولانا کی لغزشوں سے درگزر فرمائے، انہیں اعلیٰ علیین میں جگہ دے اور ان کا حشر صالحین کے ساتھ ہو۔ آمین۔ والصلوۃ والسلام علی خاتم الانبیاء والمرسلین ومن تبعهم باِحسان الی یوم الدین.

☆ ☆ ☆

مولانا عبدالقیوم رحمانیؒ کا انتقال

ملک وملت کے لئے ایک بڑا خسارہ ہے

سہیل انجم

جماعت اہل حدیث ہند کے سرکردہ عالم دین، مفسر قرآن ومجاہد آزادی مولانا عبدالقیوم رحمانیؒ کے انتقال سے جماعت کے علمی حلقہ میں ایک بڑا خلا پیدا ہوگیا ہے جو شاید مشکل سے پر ہوگا۔آپ علوم اسلامی کی حامل بزرگوں کی نسل سے تعلق رکھتے تھے جو اب رفتہ رفتہ اٹھتی جارہی ہے۔ان سے پہلے کئی علمی شخصیات ماضی قریب میں ہی علمی محفلوں کو سونا کرکے جا چکی ہیں۔اب مولانا عبدالقیوم رحمانیؒ کا انتقال جماعت کے جسم وروح پر ایک گہرا زخم چھوڑ گیا ہے۔آپ کے علمی مرتبہ کی شخصیات اب جماعت میں خال خال ہی نظر آتی ہیں۔

آپ غیر منقسم ہندوستان میں دہلی کی ایک عظیم درسگاہ دارالحدیث رحمانیہ کے فیض یافتہ تھے، جہاں صرف تعلیمی تربیت ہی نہیں دی جاتی تھی بلکہ اس کے ساتھ ساتھ ذہن وکردار کی بھی تربیت دی جاتی تھی۔یہی وجہ ہے کہ آپ نہ صرف علوم اسلامی کے ایک بحر پایاں کی حیثیت رکھتے تھے بلکہ آپ مومنانہ کردار کے بھی مالک تھے۔ایک جید عالم دین کے ساتھ ساتھ ایک مفسر قرآن بھی تھے اور آپ کو قرآن کی تفسیر بیان کرنے کا ملکہ حاصل تھا جو نہایت نرالہ اور پر اثر تھا۔آپ کی خطابت ایک عالم کو مسحور کردیا کرتی تھی، آپ قرآن کی تفسیر بیان کرنے کے دوران ان علمی نکتوں کی گرہ کشائی کیا کرتے تھے جن پر عموماً عام لوگوں کی نظر نہیں جاتی۔آپ مفسر قرآن کی حیثیت سے نہ صرف ہندوستان کے متعدد شہروں اور قصبوں کے مسلسل دورے کیا کرتے تھے بلکہ دوسرے ممالک کو بھی آپ سیراب کیا کرتے تھے۔آپ کو بیرون ہند بھی ایک صاحب طرز خطیب اور مفسر قرآن کی حیثیت سے جانا جاتا تھا اور آپ دیگر ممالک کے تشنگان علوم کو بھی اپنی علمی صلاحیت سے بہرور کیا

کرتے تھے۔صرف آپ کی تفسیر بیانی کا ہی انداز نرالہ نہیں تھا بلکہ آپ قرآن مجید کی تلاوت بھی بہت موثر اور منفرد انداز میں کیا کرتے تھے۔آپ کی خطابت کی ایک بہت بڑی خوبی یہ تھی کہ انتہائی سادہ اور آسان زبان میں قرآن کریم کے مطالب بیان کرتے تھے تاکہ عام، کم تعلیم یافتہ اور نا خواندہ لوگ بھی آسانی کے ساتھ سمجھ سکیں۔آپ سننے والوں کوتفسیر وترجمہ کے موتی لٹاتے اور انہیں علم ومعرفت سے ہمکنار کر دیتے تھے۔آپ کی پوری عمر دعوت دین میں گذری اور آخر وقت میں بھی لوگوں کو اپنے علم سے فیضیاب کرتے رہے ہیں۔آخری ایام میں بھی اس طرح سرگرم رہے کہ لوگوں کو حیرت ہوتی تھی ہندو پاک کے علاوہ دیارعرب میں بھی آپ کے تلامذہ کی ایک خاصی بڑی تعداد موجود ہے جس نے آپ سے حدیث کی سنداجازت حاصل کی تھی جوعلمی طور پر آپ کی مقبولیت کی بڑی دلیل ہے۔آپ غیر منقسم ہندوستان کے ایک جید اور نامور عالم دین مولانا احمد اللہ پرتاب گڈھی کے ایک ممتاز اور نمایاں شاگرد تھے آپ نے جہاں لاکھوں دلوں میں علوم قرآنی کے چراغ جلائے ہیں وہیں اپنی متعدد تصانیف بھی چھوڑی ہیں جن سے تشنگان علوم فیض حاصل کرتے رہیں گے۔

آپ کے انتقال کی خبر سنتے ہی بچپن کی یادوں کے بے شمار دریچے کھل گئے اور ہمارے گاؤں کے قرب وجوار کے مذہبی جلسے یاد آنے لگے جن میں مولانا مرحوم کی شرکت ہوا کرتی تھی اور ہم لوگ اپنے گاؤں سے بطور خاص ان کی تقریر سننے کے لئے جایا کرتے تھے۔وہ ہمارے گاؤں لوہرسن بازار (کرنجوت) بھی اکثر آیا کرتے تھے اور جب بھی آتے تو ان کے اعزاز میں نشست کا اہتمام کیا جاتا تھا اور لوگ انتہائی دلجمعی اور گوش برآواز ہو کر ان کی تقریر سنتے اور اس سے استفادہ کرتے تھے۔ان سے میری آخری ملاقات پاکوڑ کی اہلحدیث کانفرنس میں ہوئی تھی، جہاں آپ کی علمی وجماعتی خدمات کے اعتراف میں جمعیت اہل حدیث ہند کی جانب سے آپ کوسند اعزاز سے نوازا گیا تھا۔آپ بیماری کے باوجود جماعتی حمیت وغیرت سے سرشار ہو کر اس کانفرنس میں شریک

ہوئے تھے۔

مولانا عبدالقیوم رحمانی مرحوم ایک ممتاز مجاہد آزادی بھی تھے وہ سبھاش چندر بوس کی آزاد ہند فوج میں بھی رہے اور بعد میں گاندھی جی کی تحریک عدم تشدد میں بھی سرگرمی سے شریک رہے ہیں وہ جہاں انگریزوں کے ظلم وتشدد سے نبرد آزمار ہے ہیں وہیں ان کو اپنوں کی جاسوسی کا بھی سامنا کرنا پڑا جس کی وجہ سے وہ ہفتوں، مہینوں جنگلوں میں بھی چھپتے چھپاتے رہے۔آپ کا تعلق اتر پردیش کے ضلع سدھارتھ کے موضع دودھونیاں سے تھا۔آپ کی علمی شخصیت کے جلال وکمال کے فیض سے بستی ضلع کو اتر پردیش میں خاصی شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی تھی مولانا عبدالقیوم رحمانیؒ کے انتقال پر متعدد علمی، ادبی اوز سیاسی حلقوں میں صف ماتم بچھ گئی ہے اور لوگ اظہار تعزیت کی شکل میں اپنے قلبی رنج وغم کا اظہار کرر ہے ہیں۔ان کے انتقال پر علامہ اقبال کا یہ شعر ذہن ودماغ میں گردش کرر ہا ہے۔

جو بادہ کش تھے زمانے میں اٹھتے جاتے ہیں　　　کہیں سے آب بقائے دوام لا ساقی

☆☆☆

ایک ملاقات گاندھی کے عکس سے

انوراگ ترپاٹھی

نو بھارت ٹائمز ممبئی کے چیف رپورٹر

مولانا عبدالقیوم رحمانی سے ملاقات ایک اتفاق ہی تھا۔ سماج وادی فلسفہ میں یقین رکھنے والے میرے دوست بدر عالم بھائی کے والد مجاہد آزادی رہے ہیں، یہ بات کئی بار بات چیت میں نکلی تھی۔ ان سے ملاقات رکھنے والے میرے والد ڈاکٹر رام منوہر ترپاٹھی کا انہیں دنوں انتقال ہوا تھا۔ بدر عالم بھائی نے بتایا کہ مولانا صاحب ماتم پرسی کے لئے میرے گھر آنا چاہتے ہیں۔ گاندھی نہرو کے ساتھ آزادی کی لڑائی میں کام کر چکی شخصیت کا آشرواد لینے کا موقع میں کیسے گنواں سکتا تھا؟ مگر اس دن جو شخصیت میری آنکھوں کے سامنے دکھائی دی، اسکے لئے میں قطعی تیار نہیں تھا۔ شفاف داڑھی پر پھبتی ہوئی اتنی ہی سفید کھادی کی گاندھی ٹوپی اور عمر کی جھریوں کو دغا دیتی گہرائی لئے چمکدار آنکھیں۔ کچھ رسمی بات چیت کے بعد میرے اندر کے صحافت کی بے چینی جاگنے لگی۔ انہوں نے کمرے میں لگا کتابوں کا خزانہ دیکھ کر پوچھا کہ کانگریس کا شتابدی شمارہ ہے کیا؟ میں اسے تلاشتا، تب تک مولانا صاحب نے میز پر رکھا انگریزی ٹیبلائیڈ 'میرر' اٹھالیا اور اس میں ڈوب گئے۔ بیچ بیچ میں بدر عالم بھائی اور میں ہمیشہ کی طرح ہلکی پھلکی بات چیت کرتے رہے، مولانا اگر اسے سن بھی رہے ہوں گے تو انہوں نے سر اٹھا کر ہماری طرف نہیں دیکھا۔ تھوڑی ہی دیر میں میں نے کانگریس کا شتابدی شمارہ انکے ہاتھ میں دیا۔ رام گڑھ، بستی اور دوسری جگہوں کا حوالہ دیتے ہوئے انہوں نے تاریخ کے اوراق کھولنے شروع کر دئے۔ ان کی زبان سے زیادہ انکی آنکھیں بول رہی تھیں۔ کہانی تو پوری تھی، جیسے سب سامنے ہو رہا ہو مگر ''میں''، یعنی مولانا صاحب خود اپنی زبانی کہیں بھی بیاں نہیں ہوئے۔ اس دن ان کا فوٹو کھینچا جو اس معاملے میں یادگار بن گیا کہ خود انہوں نے اپنی کوئی تصویر

رکھی ہی نہیں تھی۔ ''تامر پتر'' سرکاری سرٹیفیکیٹ اور ریلوے کا فری پاس شان سے دکھاتے ہوئے صرف اپنی اور اپنی بات کرنے والے کئی مجاہدین آزادی کو میں جھیل چکا تھا۔ مولانا صاحب ان سے الگ تھے۔ مدعوں پر پوچھے گئے سوال کا فوراً بے حد نپے تلے مگر گہری سمجھ اور فکر والے جواب دے رہے تھے۔ عام طور پر زندگی کے تیکھے تجربے، عمر دراز لوگوں کے مزاج میں جھلاہٹ اور کڑواہٹ بھر دیتے ہیں۔ میرے سامنے بیٹھی بزرگ شخصیت میٹھے لفظوں میں جیسے دنیا بھر کی باتیں کسی بچے کو سمجھا رہی تھی۔ گاندھی کے بنیادی درشن کا لچیلا پن عالمی معیشت سے لیکر دہشت گردی کا کس طرح جواب ہوسکتا ہے، یہ سمجھانے والوں کی بھارت میں کتنی کمی ہوگئی ہے، اس بات کا شدت سے مجھے ان دن احساس ہوا۔

اس وقت جب ممبئی میں کچھ ہی دنوں پہلے لوکل ٹرین میں دھماکے ہوئے تھے، یہ وقت ایسا نازک تھا کہ دہشت گردی کا مدعا سنکر کوئی بھی مسلمان 'سنکوچا' جائے۔ میں اپنی جانکاری کے لئے لگاتار ایسے مدعوں کو چھوتا گیا، اس کا احساس بعد میں بدر عالم بھائی نے کرایا۔ مولانا صاحب بلا جھجھک ایک کے بعد ایک مسئلے کا اپنی دوٹوک متوازن رائے دیتے چلے گئے۔ غضب کی سمجھ اور اسے دلیل کے ساتھ رکھنے کی اتنی ہی غضب کی صلاحیت، مولانا صاحب ذہنی طور پر جیسے ہر سوال کے لئے پہلے سے تیار ہوں۔ اسلامی درشن اور بھارتی درشن کا سنگم دکھانے والی روشنی میرے سامنے چمک رہی تھی۔ مجھے احساس ہوگیا کہ یہ ایسی ملاقات ہے جو زندگی بھر یاد رہے۔ آزادی سے پہلے مہاتما گاندھی کا پیغام ایسے ہی سپاہیوں نے ملک بھر میں پہونچایا ہوگا۔ خود گمنام رہ کر آنے والی پیڑھیوں کے لئے مشعل راہ بنے۔ تاریخ سازی آسان نہیں۔ میں نے گاندھی جی کے بارے میں پڑھا تو ہے، میری پیڑھی انہیں دیکھ نہیں پائی، دل میں خیال آیا کہ اگر ۱۹۴۸ء میں مہاتما گاندھی کو گولی نہ ماردی گئی ہوتی تو شاید اسی طرح آپ داڑھی بڑھا کر کہیں کسی کو آگے کا راستہ دکھا رہے ہوتے۔

مولانا نے بھارت اور دنیا کے حالات کو لیکر اس دن جو کہا، وہ میرے دل و دماغ پر نقش

ہو گیا۔ ان کے الفاظ وخیالات کو ویسے بھی کسی پیش بندی کی ضرورت نہیں۔ ہو بہو پیش ہے آپ کی خدمت میں!

دہشت گردی کا کیا علاج ہوسکتا ہے ؟

یہ مسئلہ وقتی ہے اور یہ وقت کے ساتھ اپنے آپ ختم ہو جائے گا۔ بھارت کے لئے آنے والا وقت بہت اچھا ہے۔ اس میں الجھنے کے بجائے آگے بڑھنا ہی بہتر ہے، میں اسے بھارت کے راستے میں رکاوٹ اور الجھاؤ کی ناکام کوشش سمجھتا ہوں۔

بھارت پر باربار دہشت گردانہ حملے ہورہے ہیں ؟

اس کی جڑ بہت ہی پرانی ہے۔ برٹش سرکار نے بھارت کی تقسیم کر کے یہ طے کر دیا کہ بھارت اور پاکستان آپس میں لڑتے رہیں۔ پاکستان برٹش کی پیدائش ہے اور اس کے بعد امریکہ اس کی کٹھ پتلی تاناشاہی کا استعمال بھارت کو دبا کر رکھنے کے لئے کر رہا ہے۔ امریکہ نے اس علاقے میں فساد پیدا کرنے والوں کو مال اور اسلحوں سے مدد دی۔ اس میں دونوں ملکوں کی آپسی سانٹھ گانٹھ رہی۔ آج یہ دونوں اپنے ہی بنائے جال سے خود پریشان ہیں۔

آخر اس کا کیا راستہ ہوگا ؟

ملک کے عوام میں آپسی رنجش اتنی گہری نہیں ہے کہ ایک دوسرے پر مذہب کی بنیاد پر دہشت گردانہ حملہ کرے، مجھکو یہ ایک منصوبہ بند سازش معلوم ہوتی ہے جس کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ دہشت گردی اور فرقہ پرستی کا خاتمہ مہاتما گاندھی کے آپسی بھائی چارہ کے راستہ پر چل کر حل ہوسکتا ہے۔

پاکستان سے ہمارے تنازعوں کا حل کیا ہوگا ؟

پاکستان دنیا بھر کی بھارت مخالف طاقتوں کا ہتھیار رہا ہے۔ پہلے برطانیہ اور اب امریکہ، یہاں تک کہ چین اس کا استعمال ہتھیار کے طور پر کرتے آئے۔ پاکستان ہی تنازعوں کو گڑھ کر

بھارت کو بدنام کرنے کی کوشش کرتا رہا ہے۔

پاکستان ہر فرم پر کشمیر کا معاملہ اٹھاتا رہا ہے !

بلاشبہ کشمیر بھارت کا حصہ ہے۔ پاکستان کو اخلاقی طور سے کشمیر پر بولنے کا کوئی حق نہیں۔ مشرقی پاکستان اور اب بنگلہ دیش جو پاکستان کا حصہ تھا، اسکے اپنے شہریوں کے ساتھ پاکستان نے کیا برتاؤ کیا؟ پاکستان کا دوقومی نظریہ بنگلہ دیش بننے کے ساتھ ہی اپنے آپ ختم ہوگیا۔ پاکستان کو مسلمانوں کی فکر ہے تو وہ بھارت پر اپنی طاقت آزمانے کے بجائے مسلمانوں کے سب سے بڑے دشمن اسرائیل پر کیوں نہیں آزماتا؟ اس کام میں بھی اسے امریکہ سے مدد لینی چاہئے۔

بھارت کا مستقبل کیسا ہے ؟ کیا بھارت دنیا کی قیادت کرسکتا ہے ؟

ملک کا مستقبل بہت ہی شاندار ہے اور تیزی سے آگے بھی بڑھ رہا ہے۔ ہندوستان میں دنیا بھر کے مذاہب اور درجنوں زبانیں موجود ہیں، نیز سینکڑوں برادریوں اور فرقوں کو اس جمہوریت میں جگہ ملی ہوئی ہے۔ یہ دنیا کے سامنے بہت بڑی مثال ہے، اس معاملے میں ہمارا کوئی ثانی نہیں۔ ہم میں دنیا کی 'وودھتا' سمجھنے اور اپنانے کی صلاحیت ہے، دنیا کی سرپرستی ہم سے بہتر کون کرسکتا ہے، ہاں! ضرورت اس بات کی ہے کہ دنیا کی اقتصادی وسماجی ترقی کو دیکھتے ہوئے ہم کو سب سے اچھی اور نمایاں کوشش کرنی چاہئے۔

مولانا صاحب ۲۸ رمئی ۲۰۰۸ء کو انتقال کر گئے لیکن ان کی کہی ہوئی باتیں آج بھی لوگوں کے لئے مشعل راہ ہیں۔

مجاہد آزادی مولانا عبدالقیوم رحمانی کو ایک خراج عقیدت

سہیل انجم

(رپورٹر وائس آف امریکہ، اردو سروس)

نگاہ فقر میں شان سکندری کیا ہے — خراج کی جو گدا ہو وہ قیصری کیا ہے
فلک نے ان کو عطا کی ہے خواجگی کہ جنہیں — خبر نہیں روش بندہ پروری کیا ہے
فقط نگاہ سے ہوتا ہے فیصلہ دل کا — نہ ہو نگاہ میں خوشی دلبری کیا ہے
اسی خطا سے عتاب ملوک ہے مجھ پر — کہ جانتا ہوں مآل سکندری کیا ہے
کسے نہیں ہے تمنائے سروری لیکن — خودی کی موت ہو جس میں وہ سروری کیا ہے
خوش آگئی ہے جہاں کو قلندری میری — وگرنہ شعر مرا کیا ہے شاعری کیا ہے

جب کوئی ذات فقر و قلندری کی لذت نشاط انگیز سے آشنا ہوتی ہے تو اس کے قدموں میں شان سکندری اپنا سر جھکا دیتی ہے، شکوہ شاہنشہی زانوئے ادب تہہ کرتی ہے اور پندار بادشاہی پانی پانی ہو جاتا ہے۔ حضرت مولانا عبدالقیوم رحمانی کی ذات بھی فقر و قلندری سے آشنا تھی اور یہی وجہ ہے کہ علم و کمال کی چوٹی پر فائز ہونے کے باوجود ان میں کسر نفسی اور عجز و انکساری کی ادائیں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھیں۔ انسانیت نوازی ان کا شیوہ اور الفت و محبت کی تبلیغ ان کا مشغلہ تھا۔ وہ متعدد متضاد خوبیوں کے مالک تھے اور ان کی ہر ادا اپنی جگہ پر مکمل اور بے عیب تھی۔

مجاہد آزادی، مفسر قرآن، علم و فضل کی بلندی پر فائز ایک فقیر نے نواز جناب مولانا عبدالقیوم رحمانی کی شخصیت کو خراج عقیدت پیش کرنے اور ان کی یاد میں میموریل لیکچر کے انعقاد

کے موقع پر ہمارا یہاں اکٹھا ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ ہم اس نظام میں یقین رکھتے ہیں جس کا خواب مولانا رحمانی جیسے مجاہدین آزادی نے دیکھا تھا اور جو خواب لئے ہوئے وہ اس دنیا سے چلے گئے۔ مولانا محض ایک مولانا نہیں تھے یا زاہد خشک جیسے اللہ اللہ کہنے والے ملاّ نہیں تھے بلکہ ان کی نظر بہت وسیع اور ان کا مطالعہ بہت گہرا تھا جو قرآنی علوم سے لے کر موجودہ دور کے حالات و واقعات تک کا احاطہ کرتا تھے۔ وہ صرف ہندوستان کے حالات پر ہی نظر نہیں رکھتے تھے بلکہ عالمی تبدیلیاں بھی ان کی دوررس نگاہوں سے پوشیدہ نہیں تھیں۔ ان کی شخصیت کے کئی پہلو تھے۔ وہ اسلامی علوم کے ماہر تو تھے ہی، ایک سچے پکے نیشنلسٹ بھی تھے۔ ان کا مزاج جہاں اسلامی تھا وہیں وہ گاندھیائی نظریے کے بھی زبردست مداح اور پیروکار تھے۔ وہ ایک انتہائی مقبول و معروف مقرر اور خطیب بھی تھے اور ان کی ذات بہ بانگ دہل اس کا اعلان کرتی تھی کہ میری نوائے شوق سے حریم ذات میں۔ غلغلہ ہائے الاماں بتکدہ صفات میں۔ حور و فرشتہ ہیں اسیر میرے تخیلات میں۔ میری نگاہ سے خلل تیری تجلیات میں۔ مولانا عبدالقیوم رحمانی کی آواز ایسی دمدار اور پرشکوہ تھی کہ بہتوں کے حرم کدے لرزنے لگتے تھے۔

مولانا غیر منقسم ہندوستان میں دہلی کی ایک عظیم علمی درسگاہ دارالحدیث رحمانیہ کے فیض یافتہ تھے جہاں صرف علمی تربیت ہی نہیں دی جاتی تھی بلکہ ذہن و کردار کو بھی سچائی و حق گوئی کے سانچے میں ڈھالا جاتا تھا۔ زمانہ طالب علمی سے ہی ان کی شخصیت میں ایک بانکپن تھا، ایک نرالی ادا تھی، جو انہیں ان کے ساتھیوں سے ممتاز بناتی تھی۔ کہتے ہیں کہ پوت کے پاؤں پالنے ہی میں نظر آنے لگتے ہیں۔ کچھ ایسا ہی معاملہ ان کے ساتھ بھی تھا جبھی تو دارالحدیث رحمانیہ کی ایک میگزین میں ایک ایسے طالب علم کا بھی ذکر ہوا جو ادارے کے لئے باعث فخر تھا اور اس طالب علم کا نام عبدالقیوم تھا۔ جو بعد میں مجاہد آزادی اور مفسر قرآن مولانا عبدالقیوم رحمانی کے نام سے معروف ہوا۔ جب ہندوستان میں جنگ آزادی کی تحریک تیز ہوئی اور مہاتما گاندھی نے کرو یا مرو کا نعرہ دیا تو

عبدالقیوم رحمانی نامی نوجوان بھی آتش نمرود افرنگ میں بے خطر کود پڑا۔ اس جذبہ مہم جوئی نے اس نوجوان کو جہاں بے انتہا اذیتیں برداشت کرنے کے جاں گسل مراحل سے گزرنے پر مجبور کیا وہیں انہیں مذکورہ دونوں رہنماؤں کے علاوہ اس زمانے کے دوسرے قد آور سیاستدانوں کے قریب تر کر دیا۔ اس قربت نے ان کی طبیعت میں ایک نیا جوش و ولولہ پیدا کر دیا اور انھوں نے انگریزوں کے مظالم کو خندہ پیشانی سے انگیز کر لینے کی بے پناہ صلاحیت اپنے اندر پیدا کر لی۔ انہیں انگریزوں کے مظالم کا سامنا تو تھا ہی، خود بعض ضمیر فروش اہل وطن نے بھی ان کے ساتھ غداری کی اور ان کی بار بار جاسوسی کرتے رہے۔ جس کی پاداش میں وہ کبھی جیل کو رونق بخشتے تو کبھی ہفتوں اور مہینوں جنگلوں کو ہی اپنا مسکن بنا لیتے اور خار و خس و خاشاک سے ان کے تلوؤں کا یارانہ ہو جاتا۔ وہ خود فرماتے ہیں کہ فرنگیوں کے ظلم و استبداد نے ان کے تن بدن میں آگ لگا دی تھی اور وہ اس جنگ میں کود گئے جس کا مرکز و محور مقصد آزادی تھا۔ انہیں کبھی بستی کی جیل میں رکھا گیا، کبھی گورکھپور کی تو کبھی الہ آباد کی نینی جیل میں۔ اس طرح وہ مستقل قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرتے رہے۔ البتہ اس دوران انھوں نے یکسو ہو کر کتابوں کا مطالعہ شروع کر دیا جس سے ایک بڑا فائدہ یہ ہوا کہ ایک طرف تنہائی کے کرب سے نجات مل گئی اور دوسری طرف علمی اضافہ ہوا۔

مولانا کی مجاہدانہ زندگی پر میں زیادہ اظہار خیال کرنے سے بچتے ہوئے چند باتیں اور عرض کروں گا۔ مولانا علم و فضل و کمال کے جس مرتبے پر فائز تھے، وہاں تک بہت کم لوگ پہنچتے ہیں۔ وہ قرآنی علوم کے بہت بڑے ماہر تھے اور کسی بھی آیت کا ترجمہ اتنی سادہ اور عام فہم زبان میں کرتے تھے کہ جاہل اور کم پڑھا لکھا شخص بھی آسانی سے سمجھ جاتا تھا۔ ان کی اس ادا پر عوام فدا تھے اور ان کا خطاب بہت دلچسپی کے ساتھ سنا کرتے تھے۔ ہم لوگ بچپن سے ہی ان کے خطاب بلیغ کے عاشق تھے اور ستر و اسی کی دہائی میں جس وقت میں اپنے وطن ضلع بستی میں تھا جو بعد میں تقسیم ہو کر سدھارتھ نگر اور سنت کبیر نگر بن گیا، تو ہم نوجوانوں کا ٹولہ سائکل سے دس دس پندرہ کلومیٹر کا

سفر رات میں سفر کرتا اور اس جگہ پہنچ جاتا جہاں مولانا کے خطاب عام کا پروگرام ہوتا۔ وہ خود ہمارے گاؤں میں بھی اکثر و بیشتر آیا کرتے تھے اور میرے والد مولانا ڈاکٹر حامد الانصاری انجم کے ساتھ بھی مذہبی و تبلیغی جلسوں میں جانے کا ان کا پروگرام ہوا کرتا تھا۔

مولانا کے اندر قومی حمیت کے ساتھ ساتھ ملی غیرت بھی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی لیکن اس کے باوجود وہ متعصب قسم کے مولوی نہیں تھے۔ بلکہ ان کے نزدیک تمام ہندوستانی ایک دوسرے کے بھائی اور دوست تھے۔ ان کے یہاں ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان کوئی تفریق نہیں تھی۔ یہی وجہ ہے کہ جہاں ان کے مداحوں میں بڑی بڑی مسلم شخصیات شامل ہیں، وہیں نامی گرامی پنڈت اور کٹر اور مذہبی قسم کے ہندو بھی ہیں۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ مولانا عصبیت سے پاک اور جانبداری سے مبرا ہیں۔ وہ ہندوستان کو ترقیات کے اوج ثریا پر فائز دیکھنا چاہتے تھے۔ اور ملک میں فرقہ وارانہ فسادات سے پریشان ہونے کے باوجود ان کو اس بات کا پختہ یقین تھا کہ یہ سب باتیں چند روزہ ہیں جو جلد ختم ہو جائیں گی اور ہندوستان دنیا میں انتہائی ترقی یافتہ ملک کی حیثیت سے سربلند ہوگا۔ مولانا عبدالقیوم رحمانی سے میری آخری ملاقات ۲۰۰۴ میں جھارکھنڈ کے پاکوڑ میں اہلحدیث کانفرنس میں ہوئی تھی جہاں میں رپورٹنگ کے سلسلے میں گیا ہوا تھا۔ یہ ان کی خورد نوازی تھی کہ انھوں نے بہت محبت سے میری اور میرے والد کی خیریت دریافت کی اور بیماری کے باوجود کافی دیر تک پرانی باتیں کرتے رہے اور ہمارے گاؤں اور علاقے کے دوروں کو یاد کرتے رہے۔ جب ان کے انتقال کی خبر آئی تو میری نگاہوں میں ان سے ملاقاتوں اور ان کے پروگراموں کے سارے مناظر فلم کی مانند تیر گئے۔ میں ان کے صاحبزادے جناب بدر عالم صاحب کو مبارکباد دینا چاہوں گا جنھوں نے مجاہد آزادی مولانا عبدالقیوم رحمانی فاؤنڈیشن کا قیام کیا اور اس کے تحت اس یادگار خطبے کا اہتمام کیا۔ ان سے میری درخواست ہے کہ ایسے مزید خطبوں کا اہتمام کریں جن میں مولانا کی علمی بصیرت، وسیع القلبی، بین الفرقہ و بین المذاہب ہم آہنگی پر اظہار خیال کے علاوہ

ان کے ان اوصاف پر بھی روشنی ڈالی جائے جو دیش بھگتی اور حب الوطنی سے عبارت ہیں اور جن کی بدولت مولانا زندگی بھر کھادی کا کپڑا زیب تن کرتے رہے اور ہندوستان کو عالمی سطح پر ایک قائد کے روپ میں دیکھنے کا خواب دیکھتے رہے۔

مرنے والے مرتے ہیں لیکن فنا ہوتے نہیں	یہ حقیقت میں کبھی ہم سے جدا ہوتے نہیں
عقل جس دم دہر کی آفات میں محصور ہو	یا جوانی کی اندھیری رات میں مستور ہو
دامن دل بن گیا ہو رزم گاہ خیر وشر	راہ کی ظلمت سے ہو مشکل سوئے منزل سفر
خضر ہمت ہو گیا ہو آرزو سے گوشہ گیر	فکر جب عاجز ہو اور خاموش آواز ضمیر
وادی ہستی میں کوئی ہمسفر تک بھی نہ ہو	جادہ دکھلانے کو جگنو کا شرر تک بھی نہ ہو

مرنے والوں کی جبیں روشن ہے اس ظلمات میں
جس طرح تارے چمکتے ہیں اندھیری رات میں

مجاہد ہوتو ایسا ہو

ارشد کمال محمد یعقوب رحمانی

تمام قسم کی تعریف وتوصیف اللہ رب العالمین کے لیے ہے جس نے انسان کو اشرف المخلوق بنایا ہے اور اس میں کچھ لوگوں کو علم وفضل اور تقویٰ کے حساب سے دیگر لوگوں پر امتیاز و برتری عطا کیا۔ مفسر قرآن حضرت مولانا عبدالقیوم رحمانی رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی قافلۂ علم وتقوی کے ایک سپہ سالار تھے۔

حضرت مولانا ۲۸؍مئی ۲۰۰۸ بروز بدھ اس دار فانی سے رحلت کر گئے، اللہ تعالی آپ کو اپنے جوار رحمت میں رکھے۔ آمین

مولانا رشتے میں ہمارے دادا لگتے تھے اور مجھے بھی آپ سے کافی انسیت تھی، اس لیے حضرت مولانا کی یاد میں ۲۱؍فروری ۲۰۱۰ء فضیلۃ الشیخ مولانا عبدالحمید رحمانی صدر مرکز ابوالکلام آزاد دہلی کی صدارت میں مدرسہ عمر بن خطاب شل پھاٹا ممبرا میں ایک اجلاس عام کا انعقاد کیا گیا تھا جس میں مشاہیر علماء کرام اور تقریباً پانچ سے چھ ہزار لوگوں نے شرکت فرما کر مولانا کی یاد میں کیے گئے پروگرام کو کامیاب بنایا اور سراہا تھا اس کے بعد جب ہمارے مشفق استاد فضیلۃ الشیخ عبدالحکیم عبدالمعبود مدنی نے مجھ سے کہا کہ مولانا سے متعلق جو مقالات وتاثرات لکھے گئے ہیں انھیں کتابی شکل دے دی جائے تو ہماری بھی دلی خواہش ہوئی کہ اپنے استاذ کے ساتھ مل کر اس نیک کام کو پایۂ تکمیل تک پہونچایا جائے۔ مولانا ایک مایہ ناز خطیب، عظیم مجاہد آزادی اور ہندوستان کے علماء اہل حدیث میں سے چوٹی کے عالم تھے۔ اعلیٰ اخلاق، بلند کردار، حق گو اور بے باک انسان تھے۔ قول وفعل میں تضاد نہیں تھا اسی کے سبب آپ کی قدر ومنزلت ملک وجوار میں بہت زیادہ

تھی۔ ہندستان کی آزادی میں حضرت مولانا نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا یہاں تک کہ اسیری کی زندگی برداشت کرنی پڑی۔ حکومتِ ہند نے اس قربانی کی سراہنا کرتے ہوئے ''مجاہدِ آزادی'' کے تمغہ سے نوازا تھا۔ حضرت مولانا زندگی بھر انگریزوں کی پالیسی کے سخت مخالف تھے، ملنے جلنے والوں کے کپڑوں کو دیکھ کر کھادی پہننے اور سودیشی ناپہننے کی نصیحت کرتے تھے۔ مجاہدِ آزادی ہونے کی وجہ سے حکومتِ ہند کی طرف سے آپ کو سفر وغیرہ کی سہولیات حاصل تھیں اس لئے آپ کبھی کبھار گاؤں، رشتے دار اور قرب وجوار کے مسافروں کو جنھیں آمد ورفت میں مالی پریشانی ہوتی دور دراز تک اپنے ساتھ لے جاتے اور اسی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ہندوستان کے ہر خطے میں شمال سے جنوب تک، مشرق سے مغرب تک دعوتی اسفار کیا کرتے تھے۔ انھیں کثرتِ سفر اور آمد ورفت کی وجہ سے آپ کے کپڑے اکثر میلے ہوجایا کرتے تھے، لوگ سمجھتے تھے کہ آپ فقیری اور درویشی کی زندگی پسند کرتے تھے حالانکہ بالکل ایسا نہیں تھا بلکہ آپ طہارت پسند اور حساس طبیعت کے مالک تھے۔

اللہ نے آپ کو اعلیٰ فہم وتدبر سے نوازا تھا۔ بڑے بڑے مسائل بڑی آسانی سے نپٹا دیا کرتے تھے۔ مثال کے طور پر ہمارے گاؤں بشن پور چوبے میں، جو کنڈ وبونڈ یہار کے نامور خاندان (پچھومہتو) کا ایک حصہ ہے جب آزادی کے بعد غالباً 1952-53 میں چک بندی ہونے لگی تو ہمارے پردادا اپنی پوری آراضی گاؤں کے ایک صاحب کو لکھنے جارہے تھے۔ پورے خاندان کی آراضی یکجائی کھاتے میں تھی۔ مولانا نے نہایت دانشمندی سے ضلعے پر پہنچ کر چک بندی پر روک لگوادی۔ پردادا کی وفات کے کئی برس بعد ہمارے یہاں چک بندی ہوئی اور آراضی کے مسائل بڑی آسانی سے حل ہوگئے۔

اسی طرح آج سے کچھ سال پہلے حضرت مولانا عبدالروف رحمانی جھنڈانگری کے گاؤں کدربٹوا میں ماؤوادیوں نے زبردست تباہی مچائی۔ قتل وغارتگری کی اور لاکھوں کی ملکیت کو نقصان

پہنچایا۔ حضرت مولانا اس وقت ممبرا میں تھے، نیپال کے ایک صاحب مولانا سے ملنے آئے تو ماؤوادیوں کی قتل وغارتگری پر تفصیلی گفتگو ہونے لگی۔ اس وقت مولانا نے ایک ایسی بات کہی جو آب زر سے لکھے جانے کے لائق ہے۔ مولانا نے کہا کہ ہندوستان کی آزادی میں حضرت مولانا ابوالکلام آزاد اور دیگر لوگوں نے کس طرح سے گاندھی اور نہرو کا ساتھ دیا اس حقیقی زمینی سیاسی پس منظر کو سمجھنا چاہیے۔

جب ملکی وعالمی سطح پر مسلمانوں کو تکلیف پہنچتی تھی تو مولانا کو بہت دکھ اور پریشانی ہوتی تھی۔ ممبرا کے گھر پر میں نے دیکھا کہ جب پرویز مشرف کی غلط پالیسیوں سے پاکستانی افغانی مسلمانوں کا سودا کیا گیا تو مولانا نے ہاتھ اٹھا کر ایسے حکمرانوں سے پناہ چاہی۔ اسی طرح عرب ممالک کی امریکہ نوازی سے ناخوش تھے۔ اس کی مثال میں آپ کو دوں کہ شیخ محمد بن زیاد بن عمر بن التکلہ اجازۃ الحدیث حاصل کرنے کے لیے جب حضرت مولانا کے آبائی گاؤں دودھونیاں بزرگ مئی جون کے مہینے میں تشریف لائے تو سخت گرمی کی وجہ سے حضرت مولانا سے درخواست کی کہ آپ مجھے ہوٹل میں پڑھا دیجیے۔ مولانا نے برجستہ جواب دیا کہ ''پٹرول دو امریکہ کو اور آرام پسند بن جاؤ۔ پڑھنا ہو تو یہیں پڑھو''۔ اس کے بعد عینی شاہدوں نے دیکھا کہ حضرت مولانا کے ایک جملے سے شیخ زیاد نے ایسی شاگردی اختیار کی کہ آپ جہاں رہتے وہیں رہتے، جو آپ کھاتے وہی ساتھ میں کھا لیتے، مؤرخوں نے اسلاف کی شاگردی کے بارے میں جو بیان فرمایا ہے وہ اس کا مجسم نمونہ بن گئے۔ بلکہ یہاں سے جانے کے بعد انھوں نے حضرت مولانا کو سعودی عرب بلایا جہاں بہت سارے مشائخ نے اجازۃ الحدیث حاصل کی۔ حضرت مولانا سے عقیدت رکھنے والوں کے لئے بہترین خراجِ تحسین ان کی زندگی کا عکس اپنے دلوں پر نقش کرنے میں ہے۔ اللہ ہمیں مولانا کے زریں اصولوں کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق دے۔ آمین

تعزیتی پیغامات

فضیلة الشیخ/ابو خالد فلاح المطیری/حفظه الله وتولاه

رئیس لجنۃ القارہ الہندیہ جمعیۃ احیاء التراث الاسلامی کویت

ہند و نیپال کے کئی دینی اداروں سے یہ خبر موصول ہوئی کہ معروف داعی اسلام، مفسر قرآن اور مجاہد آزادی ہند شیخ عبدالقیوم رحمانی کا ۲۸/مئی ۲۰۰۸ء کو انتقال فرما گئے، انا للہ و انا الیہ راجعون

فضیلۃ الشیخ کی عظیم خدمات سے ''لجنة القارة الهندية/جمعية احياء التراث الاسلامی'' بخوبی واقف ہے، شیخ مرحوم گراں قدر اوصاف حمیدہ کے حامل تھے، ان کے زہد ورع کو دیکھ کر تاریخ اسلام کی بعض اہم شخصیتیں یاد آجاتی تھیں قرآن کریم کی زبان میں ''سیماهم فی وجوههم من اثر السجود'' کے مصداق تھے، یقیناً وہ ایک بےلوث خادم دین حنیف تھے، کل ہند اہل حدیث کانفرنس بمقام پاکوڑ میں لاکھوں لوگوں کے سامنے ان کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے ان کو ایوارڈ سے نوازا گیا تھا، میں اس وقت اسٹیج پر موجود تھا، جس کا منظر قابل دید تھا میں اس اعتراف عظیم سے بہت خوش تھا۔

شیخ صاحب رحمہ اللہ جب حکومت کی دعوت پر کویت تشریف لائے اور ایک ماہ تک اپنے سلسلہ دعوت وارشاد کو دراز رکھا تو ہم بھی مستفیض ہوئے اور ان سے سند اجازت بھی حاصل کی جسے میں نصیب خاص سمجھتا ہوں، بہر حال شیخ مرحوم کی رحلت ایک بڑا دینی، ملی اور جماعتی نقصان ہے، اللہ تعالی اسے پورا فرمائے اور اپنے دین کی حفاظت فرمائے۔ (آمین)

ہماری طرف سے اور لجنۃ القارۃ الہندیۃ / جمعیت احیاء التراث الاسلامی کی طرف سے جماعت کے ایک ایک فرد کی خدمت میں تعزیت پیش ہے۔ والسلام

ابو خالد فلاح المطیری

رئیس لجنة القارة الهندية / جمعية احياء التراث الاسلامی دولة الكويت

فضيلة الشيخ / عارف جاويد محمدی / حفظه الله و تولاه

مركز توعية الجاليات، لجنة القارة الهندية جمعية احياء التراث الاسلامی كويت

متعدد جہات سے یہ اندوہناک خبر موصول ہوئی کہ معروف داعی اسلام اور مجاہد آزادیٔ ہند مولانا عبدالقیوم رحمانی نے اپنی جان، جان آفریں کے حوالہ کردی، انا للہ و انا الیہ راجعون۔

یقیناً مولانا کی رحلت جماعت کے لئے بہت بڑا سانحہ ہے جو ناقابل تلافی ہے، گذشتہ سال حضرت مولانا وزارت الاوقاف کی دعوت پر تقریباً ایک ماہ تک حکومت کویت کے مہمان تھے، اس دوران آپ کے خطبے وخطابات کا دور خوب رہا، مجھ فقیر بندہ کو بھی مرحوم شیخ صاحب کی خدمت کا موقع نصیب ہوا تھا، اور میں نے ان سے شرف تلمذ حاصل کیا، ایک موقع پر دوران گفتگو مرحوم نے فرمایا کہ میں نے صاحب تحفہ شیخ عبدالرحمٰن مبارک پوری کے ہاتھ پر بیعت کیا تھا تو میں نے فوراً اپنے بچوں کو بلا کر مولانا مرحوم کے ہاتھ پر بیعت کرادیا تاکہ ہمارا سلسلہ سلف صالحین سے مضبوطی سے جڑ جائے، اس طرح کے تقریب کے بعد مولانا کی رحلت کی خبر سے مجھے ذاتی طور پر اور جماعتی طور پر بھی متاثر ہونا فطری بات ہے۔

میں مولانا کا بیحد عقیدت مند تھا، میں ان کے دعوتی عظمت کا برابر معترف رہا آپ کی رحلت سے میں اپنے کو تنہا اور اپنے گھر کو خالی محسوس کر رہا ہوں، ہمارے گھر میں برابر ان کی

درویشانہ زندگی کا چرچا رہتا ہے، یقیناً اس قسم کے لوگ دنیا میں بہت تھوڑے ہیں جو صرف اللہ کی رضاء کے لئے اپنے آپ کو وقف کر چکے ہیں، بہر حال مولانا اب ہمارے درمیان نہیں ہیں مگر ان کی یادیں اوران کی خدمات بہت دیرپا ہیں۔ اللہ ان کو قبول فرمائے۔ (آمین)

ہم حضرات جماعت اور بالخصوص مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے ذمہ داروں سے گذارش کریں گے کہ شیخ مرحوم کی خدمات سے جماعت کو آگاہ فرمائیں تاکہ موجودہ نسل اپنے اسلاف کی عظیم خدمات کی روشنی میں اپنی زندگی کو ڈھالے اور سنوارے اوراس پر چلنے کی کوشش کرے۔

ہم اپنی طرف سے اور مرکز دعوۃ الجالیات جلیب الشیوخ (کویت) کی طرف سے پوری جماعت اہل حدیث کے ایک ایک فرد سے اظہار تعزیت کرتے ہیں اوران کے غم میں شریک ہیں۔

اللہ تعالی مرحوم کی لغزشوں کو معاف فرمائے اوران کی حسنات کو قبول فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ (آمین)

والسلام

عارف جاوید محمدی

توعیۃ الجالیات، جمعیۃ احیاء التراث الاسلامی دولۃ الکویت

☆☆☆

مولانا عبدالقیوم رحمانی کے انتقال پر اظہار تعزیت

بزرگ مجاہد آزادی، عظیم داعی اسلام اور ممتاز عالم دین مولانا عبدالقیوم رحمانی کے سانحہ ارتحال پر مولانا محمد عادل ندوی، ڈاکٹر فرید الاسلام اور دیگر لوگوں نے اپنے شدید رنج و غم کا اظہار کرتے ہوئے آپ کی وفات کو قوم وملت کا عظیم خسارہ قرار دیا ڈاکٹر فرید الاسلام نے کہا کہ مولانا موصوف حکیم ضیاء الدین ضیاءؔ کے ساتھیوں میں سے تھے اور ابھی ۱۸ رمئی کو موضع دیون مئو، ضلع پرتاب گڈھ میں شریک اجلاس تھے اور آپ وہاں سے ۱۹ رمئی کو حکیم ضیاء کے بھائی ڈاکٹر جمیل الدین کی وفات کی خبر سن کران کی تعزیت کے لئے خصوصاً مئو آئمہ تشریف لائے تھے اور جامع مسجد میں اصلاح معاشرہ کے موضوع پر خطاب کیا تھا۔ کسے خبر تھی کہ آپ کا یہ سفر مئو آئمہ کا آخری سفر ہوگا۔ آپ مئو آئمہ تقریباً ۵۰ سالوں سے آتے رہے۔ مولانا پیرانہ سالی اور علالت کے باوجود تمام دینی جلسوں میں شریک ہوتے تھے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی مغفرت فرمائے اور آپ کے اہل خانہ کو صبر عطا کرے۔ (محمد عادل ندوی، الہ آباد)

الہ آباد میں اظہار رنج و غم: حکیم ضیاءالدین ایجوکیشنل اینڈ کلچرل اڈوانسمنٹ سوسائٹی الہ آباد کے ذمہ داران نے مولانا عبدالقیوم رحمانی کے انتقال پرملال پر گہرے رنج وملل کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ وہ صدق وصفا کی اس نسل سے تعلق رکھتے تھے جس سے نہ صرف دینی ودعوتی سرگرمیاں جاری رکھتے ہوئے ملک وقوم کی بے لوث خدمات انجام دیں بلکہ اصلاح وتبلیغ میں اپنی پوری عمر گذار دی۔ دارالمصنفین اعظم گڈھ میں علامہ سید سلیمان ندوی کی معیت میں تحقیقی کام کیا۔ ہندوستان چھوڑو تحریک میں وہ پنڈت جواہر لال نہرو کے ساتھ نینی جیل میں تھے ان کے قریبی لوگوں اور بزرگوں میں سابق وزیر اعظم آنجہانی لال بہادر شاستری، پنڈت سندر لال، مولانا حسین احمد مدنی تھے جن کا وہ بیحد احترام کرتے تھے لیکن ان کی فقیرانہ زندگی اور دنیا سے بیزاری نے انہیں بہت زیادہ ایوان سیاست میں رہنے کا موقع نہیں دیا، مولانا عربی و فارسی

کے ساتھ انگریزی زبان پر بھی اچھی دسترس رکھتے تھے۔دعوتی سرگرمیاں ان کی پوری زندگی (۸۸سالہ) تک رہیں۔وہ عرب ممالک کا بھی دورہ کرکے درس حدیث کا سلسلہ جاری رکھتے تھے معمولی بیماری سے دوچار ہوئے اوراس دنیائے فانی سے عالم جاودانی کوروانہ ہوگئے۔

اظہار رنج وغم کرنے والوں میں رشاد الاسلام،نسیم احمد عرف نسو،علامہ سید مظہر الحق،پروفیسر محبّ اللہ،انیس الاسلام،حکیم جلال الدین،پرنسپل محمد سرفراز اور پروفیسر سید طفیل احمد مدنی تھے۔اللہ رب العالمین ان کے درجات کو بلند فرمائے اور اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے۔آمین (حکیم رشادالاسلام،الہ آباد)

☆☆☆

مولانا عبدالقیوم رحمانی نے داعئ اجل کو لبیک کہا

ایک خاص انداز میں حدیث وقرآن کی تفسیر بیان کرنے والا مجاہد آزادی نہ رہا

جید عالم دین اور بزرگ مجاہد آزادی مولانا عبدالقیوم رحمانی نے آج یہاں داعی اجل کو لبیک کہا اور اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔ وہ تقریباً ۸۸/برس کے تھے۔ معمولی بیماری کے بعد بغرض علاج انہیں لکھنؤ لایا گیا تھا لیکن اس سے قبل کہ علاج شروع ہوتا ٹھیک ۱۱/بجے دن میں ان کی روح پرواز کر گئی۔ تدفین دوسرے دن ۲۹/مئی کو صبح ۹/بجے ان کے آبائی گاؤں دودھونیاں بزرگ ضلع سدھارتھ نگر میں ہوگی۔ جسد خاکی لکھنؤ سے ان کے بڑے بیٹے کانگریسی لیڈر و معروف سماجی کارکن بدر عالم خان لے کر سدھارتھ نگر روانہ ہو گئے۔ مولانا کے انتقال کے بعد نہ صرف مشرقی یوپی بلکہ پورے اتر پردیش میں جمعیت اہل حدیث کے ایک باب کا خاتمہ ہوگیا۔ وہ صدق وصفا کی اس نسل سے تعلق رکھتے تھے جس نے نہ صرف دینی ودعوتی سرگرمیاں جاری رکھتے ہوئے ملک وقوم کی بے لوث خدمات کیں بلکہ اصلاح وتبلیغ میں اپنی پوری عمر گذار دی۔ ان کی کارکردگی اور سرگرمیوں کے معترف ملک کے جید علماء اور بڑے سیاست داں ودانشور تھے۔ مولانا ایک قوم پرست لیڈر وقومی یکجہتی کے علم بردار تقسیم وطن کے سخت مخالف تھے۔ وہ مولانا ابوالکلام آزاد کی سیاست اور نظریہ کے کٹر حامی تھے۔ نوجوانی کے ایام میں کچھ دنوں دارالمصنفین اعظم گڈھ میں علامہ سید سلیمان ندوی کی معیت میں تحقیقی کام بھی کیا۔ ہندوستان چھوڑدو تحریک کے ایام میں جب وہ نینی جیل الہ آباد میں تھے تو وہاں ان کا ساتھ ملک کے پہلے وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو سے ہوا، جس کے بعد وہ پنڈت جی کے قریبی لوگوں میں شامل ہو گئے تھے۔ ان کے قریبی لوگوں اور بزرگوں میں سابق وزیر اعظم لال بہادر شاستری، پنڈت سندر لال، پنڈت کیشو دیو مالویہ اور حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ تھے جن کا وہ بہت احترام کرتے تھے لیکن ان کی فقیرانہ زندگی اور دنیا سے بیزاری نے انہیں بہت زیادہ ایوان سیاست میں رہنے کا موقع نہیں دیا اور وہ اپنے آبائی پیشہ کاشت کاری کے

ساتھ دعوت وارشاد کے کاموں میں مصروف ہو گئے۔ جب دینی تعلیمی تحریک مرحوم قاضی محمد عدیل عباسی نے شروع کی تو مولانا ان کے شانہ بہ شانہ چلے اور ریاست میں گھوم گھوم کر دینی مکاتب گاؤں گاؤں جا کر قائم کرتے رہے۔مولانا عربی اور فارسی کے ساتھ ساتھ انگریزی زبان پر بھی اچھی دسترس رکھتے تھے۔اسی لئے ان کے شاگردوں کی ایک بڑی تعداد عرب ممالک میں بھی ہے۔جہاں سال میں ایک بار جا کر وہ حدیث کا دورہ کراتے تھے انہوں نے کچھ شاگردوں کو ان کے علم کے مطابق حدیث کی سند اجازت بھی دی تھی۔انہیں کویت کے ایک ادارہ نے ان کی خدمات کے اعتراف میں اعزاز بھی دیا تھا۔

حضرت مولانا کے انتقال سے نہ صرف ان کا موضع دودھونیاں یتیم ہو گیا بلکہ پورا علاقہ خود کو بے یارو مددگار محسوس کر رہا ہے ان کے نزدیک نہ صرف ان کا گاؤں بلکہ پورا علاقہ ان کا کنبہ تھا اس لئے لوگ ان کے انتقال پر سخت ملول ہیں۔

وہ ایک جری اور بیباک عالم دین مجاہد آزادی کے علاوہ جذبہ اصلاح وارشاد سے سرشار ممتاز عالم دین تھے وہ قرآن حکیم کی تفسیر اور تلاوت خود اس انداز میں کرتے تھے کہ سننے والے مسحور ہو جاتے تھے،ان کا اپنا ایک خاص انداز تھا جو دلوں کی گہرائیوں میں اترتا چلا جاتا تھا،وہ کئی تعلیمی اداروں سے منسلک تھے اور علاقہ میں تعلیم کو خاص کر تعلیم نسواں کے فروغ کے لئے بڑے بیچین رہا کرتے تھے اسی لئے انہوں نے اپنے گاؤں میں لڑکیوں کا ایک مدرسہ قائم کرنے والے نوجوانوں کی قدم قدم پر مدد کی اور ہر جگہ ان کے ساتھ موجود رہتے تھے۔

مولانا نے کئی چھوٹی چھوٹی کتابیں تحریر کی تھیں،جن میں وحدانیت پر اردو میں اور صیہونیت پر ایک عربی کتابچہ بہت مقبول ہوا ان کے کئی ایڈیشن شائع ہوئے۔ان کے انتقال پر دہلی سے مولانا عبدالوہاب خلجی اور نیپال سے مولانا عبداللہ مدنی لکھنؤ صوبائی جمعیت اہل حدیث اور یونیورسٹی دار العلوم ندوۃ العلماء کے بڑے اسکالر وصحافیوں نے تعزیت کا اظہار کرتے ہوئے

پسماندگان سے اظہار ہمدردی کی ہے پسماندگان میں بیوہ، ۵/بیٹوں اور تین بیٹیوں کے علاوہ پوتے پوتیوں اور نواسے نواسیوں سے بھرا ایک کنبہ ہے۔

مولانا کی وفات جماعت اور ملک کے حق میں ایک بڑا حادثہ ہے

مولانا عبدالسلام سلفی

صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی کے صدر مولانا عبدالسلام سلفی نے پریس ریلیز کے ذریعے مولانا عبدالقیوم رحمانی کے انتقال کی خبر دیتے ہوئے کہا ہے کہ مولانا مرحوم کی نمایاں خصوصیات میں سادگی تھی، گہرا علم تھا سلف کا انداز زندگی تھا، حق گوئی اور جرأت و بیباکی اور بے پناہ جذبۂ عمل تھا، مولانا کی وفات، جماعت اور ملک کے حق میں ایک خطیب مصلح اور مثالی مجاہد کی حیثیت سے بہت بڑا حادثہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت خاص سے آپ کی کمی کو دور فرمائے، آپ کی لغزشوں کو معاف فرمائے۔ آپ کو جنت الفردوس میں جگہ دے۔ پوری جماعت اور ملت کے لئے بڑی سوگواری کی حالت ہے اہل خانہ بھی نڈھال ہیں۔ آپ کے وطن کے مسلم ہندو سبھی آپ کی وفات پر دکھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب کو صبر جمیل کی توفیق دے۔ (روزنامہ راشٹریہ سہارا ممبئی)

لکھنؤ میں مفسر قرآن اور مجاہد آزادی مولانا عبدالقیوم رحمانی کا انتقال

ملک قدآور علمی شخصیت سے محروم ہو گیا

مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند دھلی

بروز بدھ ۲۸/مئی ۲۰۰۸ء بوقت ۱۲/بجے دوپہر جماعت اہل حدیث کے چوٹی کے عالم مفسر قرآن مولانا عبدالقیوم رحمانی صاحب کا انتقال ہو گیا۔ آپ لکھنؤ میڈیکل کالج میں زیر علاج تھے وہیں وفات ہو گئی آناً فاناً یہ خبر ساری دنیا میں پھیل گئی۔ مولانا ملت میں بقیۃ السلف کی حیثیت

رکھتے تھے اور ملک کے لئے انکی قربانیوں کی لمبی تاریخ ہے۔بارہا آپ کو استعمار نے جیل میں ڈالا جس کی دردناک کہانی مولانا سنایا کرتے تھے۔مولانا نے اپنی پوری زندگی مسلمانوں کی دعوت و اصلاح اور ملک اور برادران وطن کی بھلائی کی کوشش میں صرف کردی، اللہ تعالیٰ ان کی خدمات کو قبول فرمائے۔مولانا مرحوم کی نمایاں خصوصیات میں سادگی تھی، گہرا علم تھا سلف کا انداز زندگی تھا، حق گوئی وجرأت و بے باکی تھی اور بے پناہ جذبہ عمل تھا، مولانا کی وفات جماعت اور ملک کے حق میں ایک خطیب مصلح اور مثالی مجاہد کی حیثیت سے بہت بڑا حادثہ ہے اللہ تعالیٰ اپنی رحمت خاص سے آپ کی کمی دور فرمائے، آپ کی لغزشوں کو معاف فرمائے۔آپ کو جنت الفردوس میں جگہ دے پوری جماعت اور ملت کے لئے بڑی سوگواری کی حالت ہے۔اہل خانہ بھی نڈھال ہیں۔آپ کے وطن کے مسلم ہندو سبھی آپ کی وفات پر دکھی ہیں ۔اللہ تعالیٰ سب کو صبر جمیل کی توفیق دے۔مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے امیر حافظ محمد یحییٰ دہلوی اور ناظم عمومی مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی نے اخبار کے نام جاری اپنے مشترکہ بیان میں عصر حاضر کے معروف مفسر قرآن، صاحب طرز اور عظیم مجاہد آزادی مولانا عبد القیوم رحمانی کے انتقال پر گہرے رنج وغم کا اظہار کیا ہے اور ان کی موت کو ملک وملت کے لئے عظیم خسارہ قرار دیتے ہوئے ان کی مغفرت اور بلندی درجات کی دعا کی ہے اور کہا ہے کہ مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے ذمہ داران، کارکنان، صوبائی اکائیاں اور ملک بھر میں پھیلے ہوئے تقریباً تین کروڑ اہل حدیثان ہند پس ماندگان کے غم میں برابر کے شریک ہیں۔اللہ تعالیٰ ملک وملت کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے اور پس ماندگان کو صبر کی توفیق بخشے۔آمین۔

پریس ریلیز کے مطابق مورخہ ۲۸؍مئی ۲۰۰۸ء کو ۱۱؍بجے لکھنو کے ایک اسپتال میں مفسر قرآن اور مجاہد آزادی مولانا عبد القیوم رحمانی کا انتقال ہو گیا۔انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مولانا ۸۸؍برس کے تھے ان کی ولادت ۲۰؍جنوری ۱۹۲۰ء کو اتر پردیش کے موضع دودھونیاں بزرگ پوسٹ بڑھنی ضلع سدھارتھ نگر میں ہوئی تھی۔آپ ایک معزز گھرانے کے چشم وچراغ تھے مولانا کی

ابتدائی تعلیم ان کے آبائی گاؤں میں ہوئی۔اس کے بعد انہوں نے بھارت نیپال سرحد پر واقع جامعہ سراج العلوم جھنڈا نگر نیپال میں بھی ایک سال تک عربی فارسی کی تعلیم حاصل کی اس کے بعد جامعہ اسلامیہ فیض عام مئو (اعظم گڈھ) میں داخلہ لیا جہاں عربی درجات کی ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد تقسیم ہند سے قبل ملک کی مشہور درس گاہ "دار الحدیث رحمانیہ" دہلی میں داخلہ لیا، وہاں پر محدث کبیر مولانا احمد اللہ پرتاب گڈھی، مولانا عبید اللہ رحمانی مبارکپوری، مولانا نذیر احمد املوی مبارک پوری، مولانا سکندر علی ہزاروی، مولانا عبد الغفور بسکوہری جیسے اساطین علم سے تعلیم حاصل کی ۱۹۴۰ء میں مولانا نے دار الحدیث رحمانیہ سے فراغت حاصل کی، پھر آپ نے دہلی کی فتح پوری مسجد میں داخلہ لے کر پنجاب بورڈ سے مولوی فاضل کی ڈگری حاصل کی۔اس دوران آپ نے مولانا سعید احمد اکبرآبادی اور مولانا عاشق الٰہی سے بھی تعلیم حاصل کی، مولانا ابتداءہی سے ایک ذہین اور ذکی طالب علم تھے مولانا کو اردو عربی، فارسی کے علاوہ ہندی اور انگریزی کی بھی جانکاری تھی۔جس وقت آپ دہلی میں تعلیم حاصل کر رہے تھے اس زمانے میں پورے ملک میں آزادی کی تحریک بڑے زور وشور سے چل رہی تھی عوام پر انگریز حکومت کی ظلم وزیادتی اپنے عروج پر تھی۔ آزادی کی تحریک چلانے والوں کو طرح طرح کی سزائیں دی جارہی تھیں۔انہیں کالا پانی جیسے مقامات پر بھیج کر غیر انسانی سزائیں دی جارہی تھیں جس نے مولانا کے دل کو جھنجوڑ کر رکھ دیا۔جب مہاتما گاندھی جی نے "انگریزو بھارت چھوڑو" کا نعرہ دیا تو مولانا بھی اس آزادی کی تحریک میں شامل ہو گئے۔کانگریس کے ذریعے چلائی جارہی تحریکوں اور پروگراموں میں شامل ہونے کی وجہ سے وہ انگریز سرکار کی نظر میں آ گئے اور ان کو حکومت نے ان کے آبائی گاؤں میں گرفتار کرلیا، انہیں بستی جیل میں رکھا گیا پھر وہاں سے گورکھپور کے جیل میں پھر وہاں سے الہ آباد (نینی) ۹ / ماہ (تاریخ ۲۲ / ۸ / ۱۹۴۲ء سے ۲۲ / ۵ / ۱۹۴۳ء) تک رکھا گیا۔مولانا کو نینی جیل میں لال بہادر شاستری، فیروز گاندھی، حضرت مولانا حسین احمد مدنی، پنڈت جواہر لال نہرو، پنڈت سندر لال، مظفر حسین، ڈاکٹر کاٹجو، پرشوتم داس ٹنڈن، وشمبھر دیال، پنڈت کملاپتی ترپاٹھی جیسے ملک کے مشہور

لیڈران کے ساتھ رہنے کا موقع ملا، مولانا کا بیرک مجاہدین کے لئے لیکچر روم کی شکل میں استعمال ہوتا تھا جہاں سبھی کانگریسی لیڈر اکٹھا ہو کر آزادی کی لڑائی کیوں لڑی جارہی ہے؟ اور ہمیں کیا کرنا چاہئے؟ جیسے موضوع پر چرچا کرتے تھے نینی جیل سے رہا ہونے کے بعد وہ آزادی کی تحریک میں اور جوش و خروش سے لگ گئے اور ایک بار دو ماہ کے لئے لکھنؤ جیل میں بھی نظر بند رہے۔ نینی جیل لے جاتے ہوئے گورکھ پور میں ایک چھوٹے سے کمرے میں ان کو اور ان کے دوسرے مجاہدین ساتھیوں کو ۲۴ رگھنٹے تک رکھا گیا جو دس سال کی سزا کے برابر تھا۔ آزادی کی تحریک کے ساتھ ساتھ مولانا نے تعلیم کی ترویج و ترقی پر بھی زور دیا چنانچہ بستی ضلع (موجودہ سدھارتھ نگر) میں ہی بڑھنی میں ۱۹۴۶ء میں ''گاندھی آدرش ودیالیہ'' کی بنیاد رکھی جس کو ۱۹۴۸ء میں ہائی اسکول اور بعد میں انٹر کالج تسلیم کرلیا گیا۔ اسلامی تعلیم کے لئے موضع کھجوریا اور اکرہرا کے اپنے رشتہ داروں کی مدد سے اکراہرا ضلع بستی (موجودہ سدھارتھ نگر) میں ''مدرسہ درسگاہ اسلامیہ'' کے نام سے ادارہ قائم کیا جو آج بھی چل رہا ہے۔ مدرسہ سراج العلوم جھنڈانگر (کرشنا نگر) کو ایک بڑے ادارے کی شکل میں آگے بڑھانے میں خطیب الاسلام مولانا عبدالرؤف رحمانی کی تحریک کی بھرپور حمایت کی اور خود اس ادارہ کے پچیس سال تک صدر رہے۔ اقلیتوں میں ماڈرن تعلیم کو بڑھانے کے لئے ''مسلم ہائر سکنڈری اسکول'' کے نام سے موضع مہدئیاں میں جو سدھارتھ نگر کے قریب ہے قائم کیا، جو ضلع کا تسلیم شدہ ایک بڑا ادارہ ہے۔ مولانا اسلامی تعلیم کے بارے میں ملک میں اور مشرق وسطی میں بھی قرآن کے مفسر کی حیثیت سے مشہور تھے۔ شیخ زیاد سعودی عرب میں اسلامی تعلیم کے اسکالر ہیں وہ خود مولانا محترم سے ہندوستان ملنے آئے ۲۰۰۵ء میں انہوں نے ایک مہینہ مولانا کے آبائی گاؤں میں رہ کر تعلیم حاصل کی۔ سعودی عرب اور کویت میں اسلامی تعلیم میں دلچسپی رکھنے والے لوگوں نے مولانا کو سعودی عرب اور کویت میں بلایا۔ دونوں ملکوں میں مولانا کا گرم جوشی سے استقبال کیا گیا بحرین، افغانستان، صومالیہ، پاکستان، سعودی عرب، کویت اور مصر جیسے ملکوں کے ریسرچ اسکالروں اور تعلیمی اداروں کے ذمہ داروں نے مولانا سے تعلیم حاصل کی۔ مولانا سے تعلیم

حاصل کرنے والوں میں مسجد نبوی، مدینہ منورہ کے امام شیخ علی عبدالرحمٰن الحذیفی کا نام خصوصی طور پر لیا جاتا ہے۔ مولانا پورے ملک میں خاص طور پر اتر پردیش، بہار، جھارکھنڈ، مغربی بنگال، مہاراشٹر، آندھرا پردیش، کرناٹک، گجرات میں جانے جاتے تھے اور ان صوبوں کے کسی بھی اجلاس میں ان کی موجودگی جلسے کی کامیابی کی ضمانت ہوتی تھی، خصوصاً بہار اور جھارکھنڈ میں آپ کے بغیر کوئی بھی جلسہ ناقص تصور کیا جاتا تھا۔ ان کی شہرت ایک محبِّ وطن اور اسلام مذہب کی بہت ہی اچھی جانکاری رکھنے والے ایک آدرش عالم کی شکل میں تھی۔ مولانا کی مذہبی اور سماجی خدمات کو دیکھتے ہوئے ''پاکوڑ'' جھارکھنڈ میں مرکزی جمعیت اہلحدیث ہند کے اٹھائیسویں آل انڈیا اجلاس مارچ ۲۰۰۴ء میں خصوصی ایوارڈ سے نوازا گیا۔ مولانا اور ان کے ساتھیوں کی ہی قربانیوں کا اثر ہے کہ آج بھی بستی، گونڈہ، بلرام پور، سدھارتھ نگر، مہراج گنج، فرقہ وارانہ فساد سے پاک ہے۔

مولانا مہاتما گاندھی ''اہنسا آندولن'' اور مولانا آزاد کے راشٹر واد سے بے حد متاثر تھے۔ تقسیم ہند کو وہ برطانیہ کی ایک بڑی سازش کی شکل میں دیکھتے تھے اسی طرح انہوں نے موجودہ دور کی دہشت گردی کے خلاف مہم چھیڑ کر ملک کے مختلف علاقوں کا دورہ بھی کیا تھا مولانا سادہ اور حساس طبیعت کے مالک تھے اور لوگوں کے دکھ درد کو اپنا درد محسوس کرتے تھے۔

(پریس ریلیز مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند دہلی، روزنامہ اردو ٹائمز ممبئی)

دارالحدیث رحمانیہ دہلی کے سالانہ میگزین کی شہادت :

مدرسہ دارالحدیث رحمانیہ کے سالانہ میگزین میں ۱۹۳۸ء میں آپ کے متعلق یہ واقعہ درج ہے کہ پانچویں جماعت کے ایک طالب علم عبدالقیوم بستوی کو ترمذی شریف کی حدیثیں یاد ہیں۔ اساتذہ نے کتاب منگوا کر ترمذی شریف کی حدیثیں سننا شروع کر دیں تو جہاں سے بھی پوچھا مولانا نے زبانی سنا دیا۔ (محدث رحمانیہ دہلی: ۲۷ر نومبر ۱۹۳۸ء)

☆☆☆

رحمانی اکیڈمی کی اہم مطبوعات

۱) مجاہد آزادی مولانا عبدالقیوم رحمانیؒ کی سوانح پر مشتمل مجموعہ

حیات رحمانی

عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی ☆ عبدالجبار انعام اللہ السّلفی

---

۲) اجتماعی ذکر و دعا میزان شریعت میں

از قلم

ابوالمظفر عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی

صحیح دعاؤں کا مرتب و مستند تعلیمی نصاب

۳) اسلامی دعائیں

از قلم

ابوالمظفر عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی

ناشر

رحمانی اکیڈمی، گاندھی نگر، چارکوپ، کاندیولی (W)، ممبئی۔ 67

HAYAT-E-RAHMANI

تحریک آزادی میں مولانا کی شمولیت

جس زمانہ میں آپ دہلی میں زیر تعلیم تھے اس وقت پورے ہندوستان میں آزادی کی تحریک نہ صرف زور وشور سے جاری تھی بلکہ کامیابی کے آخری اور نتیجہ خیز دور میں داخل ہورہی تھی، مولانا ذہین وفطین ہونے کے ساتھ حساس دل ودماغ کے مالک تھے اس لئے انہوں نے حالات کا جائزہ لیا اور زمانۂ طالب علمی ہی میں تحریک آزادی میں شامل ہونے کا فیصلہ کرلیا اور تعلیم سے فراغت کے بعد عملی طور پر مجاہدین آزادی کے قافلہ میں شامل ہوگئے، مولانا نے تحریک میں اپنی شمولیت کا ذکر ان الفاظ میں کیا :

''اس زمانہ میں ملک کے سیاسی حالات سے میں متاثر بھی تھا اور انگریز حکومت ہندوستانیوں پر مظالم کے جو پہاڑ توڑ رہی تھی اور انہیں کالا پانی بھیج کر جو انسانیت سوز سزائیں دے رہی تھی ان سے میں دکھی بھی تھا کہ حسن اتفاق مجھے سید احمد شہید رحمہ اللہ کی سوانح حیات پڑھنے کا موقعہ ملا، اس کتاب نے میرے تن بدن میں آگ لگا دی اور میرے دل میں انگریزوں کے خلاف شدید نفرت پیدا ہوئی، جس کے نتیجہ میں میں نے عملاً سیاسی میدان میں اترنے کا فیصلہ کیا اور جب گاندھی جی اور مولانا ابوالکلام آزاد نے ہندوستانی قوم کو "Do Or Die" (کرو یا مرو) کا نعرہ دیا تو میں جنگ آزادی کی تحریک میں باقاعدہ شامل ہوگیا''۔

عبدالقیوم رحمانی رحمۃ اللہ علیہ

RAHMANI ACADEMY
Gandhi Nagar, Charkop, Kandivli (W), Mumbai - 67.
Mob.: 9869395881

CROWN PRINTING PRESS, MUMBAI • TEL.: 28422552